

اللہ کی خاطر

امام قتادہ بن دعامہ فرماتے ہیں:

”ما ازداد قوم من أھلہم فی سبیل اللہ بعدا إلا ازدادوا من اللہ

قربا۔“ (جامع البیان للطبری: ۱۴ / ۶۶۵)

”جو اپنے اقرباء سے محض اللہ کی خاطر جتنی دوری اختیار کرتا ہے وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا

مقرب بن جاتا ہے۔“

اللہ کی خاطر دوری کا مطلب ہے کہ بندہ ان میں غیر شرعی امر دیکھتا ہے تو ان کی تادیب کی خاطر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر بندے کی دین داری اور اسلامی تعلیمات پر اس کی مستقل مزاجی اپنوں سے دوری کا سبب بن جائے تو اسے بجائے افسوس کے تقرب الہی پر خوش ہونا چاہیے۔

”امتکم امدۃ واحده“

قیامِ ملت اور تنظیمِ باہمی کا عروۃ الوثقیٰ اور اصلِ ثابتِ صحتِ عقیدہ، صحتِ ملت اور حُسنِ عمل ہے۔ دین کی اصل راہ وحدتِ الہ وحدتِ اخوت امت ہے نہ کہ تفرقہ ملت اور منافرتِ باہم۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ دین اسلام کی عالمگیر ہدایت صرف ایک ہے اور بلا استثناء ساری جمعیت بشری کے لیے ہے، نسل و قوم، زمان و مکان کا کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح امت محمدیہ ایک ہے یہ بھی وحدتِ خدا و دین کی طرح ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے، اس امت کے سوا انسان نے جو اُمم و ملل بنائے ہیں وہ اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی نہیں۔ بنائے کار وحدتِ دین اور وحدتِ امت ہے نہ کہ شخصیتیں۔ شخصیتیں کتنی بڑی کیوں نہ ہوں لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ امت کے افراد ہیں، موحد امت نہیں۔ وحدتِ دین اور وحدتِ امت کے مقابلے میں اشخاص کا کوئی فکر، کوئی نظریہ، نظریہ نہیں۔ بلکہ اس سے ہٹ کر سب سبل متفرقہ اور ملل باطلہ کے تانے بانے ہیں۔

اے انسانو! اگر بھلائی چاہتے ہو تو وحدتِ دین اور وحدتِ ملت میں اکٹھے ہو جاؤ، یہی راستہ سیدھا بھی ہے اور آسان بھی۔ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی انگلی سے زمین پر سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: ”یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا مقرر کردہ راستہ ہے۔“ اس کے بعد لکیر کے دونوں طرف بہت سی ٹیڑھی ترچھی لکیریں کھینچ دیں، پھر فرمایا: ”یہ سب متفرقہ ہیں جو بنائے گئے ہیں، جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا بہک رہا ہے.....“ الی آخر الحادیث۔

نبی ﷺ نے فرمایا تھا: بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے تھے۔ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ بنیادِ شریعتِ اسلامیہ کی اولین بنیاد ہے وہ جو کچھ بنانا چاہتی ہے تمام تر اسی پر مبنی ہے۔ اگر اس بنیاد کو نظر انداز کر دیا جائے تو پورا کارخانہ وحدتِ ملت پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

مسلمانو! غور کرو کیا حال ہوا جنہیں وحدتِ ملت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی اور جنہیں سب متفرقہ میں تقسیم ہو جانے سے روکا گیا تھا۔ انھوں نے کتاب و سنت اور وحدتِ ملت کی جگہ انسانی آراء اور ان کے ظن و تخمین کو صحتِ عقیدہ اور صحتِ ملت سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد اور سب متفرقہ ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن اور نبی ﷺ نے بند کرنا چاہا تھا۔

(مولانا عبد القہار کھاروی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لهذا لولا كنا لفارغين

سمایہ دست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

لاہور

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

19 ربیع الاول 1434 ھ جمعۃ المبارک یکم تا 07 فروری 2013ء

شماره 05 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاہر

مینجر

○ محمد سلیم چنیوٹی 0333-4611619

کمپوزنگ

○ رضا اللہ ساجد 0344-4656461

2	جواہر پارے	اللہ کی خاطر
4	کلمہ طیبہ	”امتکم أمة واحدة“
6	اداریہ	(مولانا عبدالقہار کھاروی)
20	درس قرآن	تفسیر سورہ یس..... (۵۸)
27	تحقیق و تنقید	عقیدہ اور اس کے احکام
29	نقد و نظر	فضائل اُبی حنیفہ و اخبارہ و مناقبہ (۵)
	خوانین اسلام	کیا نواب صاحب کی بیگم پردہ نہیں کرتی تھیں؟
	رہ قادیانیت	فتنہ قادیانیت کے خلاف جہاد..... (۲)
	شعر و ادب	”اس نغمے کی لے میں صوت شیطانی ہے“
		(محمد اشرف جاوید)
		(عبدالرشید عراقی)
		(ماہر القادری)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

حیرانگی

یہ بات پہلے بھی کوئی ایسی ڈھکی چھپی نہیں تھی لیکن اب یہ اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ جمہوریت کے تحفظ کے نام پر میاں صاحب نے موجودہ حکومت کو اپنا عرصہ اقتدار پورا کرنے کے لیے غیر معمولی ظاہری اور باطنی کمک پہنچاتے رہے۔ عسکری حلقے نے بھی..... عدم مداخلت سے..... موجودہ حکومت کو..... اس کی سب کڑیوں کے باوجود..... چلنے دیا۔ عدلیہ بھی ”کارناموں“ کے باوجود صبر کرتی رہی اور اس کو ہتھوڑتی رہی جس نے سیاست دانوں پر یہ عیاں کر دیا کہ عدلیہ مکمل اخلاص کے ساتھ وطن عزیز میں ظلم و نا انصافی پر مبنی حکومت برداشت نہیں کرے گی اس لیے مروجہ طرز حکومت کو آئندہ چلنا شاید مشکل بلکہ عدلیہ کی کوشش تو یہ لگتی ہے کہ ویسا طرز حکومت ممکن ہی نہ رہے۔

نظام کو تلیٹ کرنے یا بیجان پیدا کرنے ”جس کا فطر تا رخ فساد و انار کی کی طرف ہوتا ہے“ کا آخری حربہ قادری دھرتا تھا جس کو عسکری حلقوں کے اغماض اور عدلیہ کے سکوت نے حسب خواہش ”دوستاں“ کامیاب نہ ہونے دیا۔ انتخابات کے لیے چونکہ..... بغیر پارلیمنٹ..... عبوری حکومت ناگزیر ہوتی ہے جس کے لیے ایک طبقہ..... چشم یار کی شہہ پا کر..... ایسی حکومت قائم کرنے کا خواہاں ہے جس کے عہدیدار غیر سیاستدان ہوں جن پر آئین کی دفعہ ۲۶۲-۲۶۳ کی اوڑھنی بھی ہوتا کہ عالمی عقاب جب چاہے..... فرد واحد کو..... اچک کر افغانستان سے بہ خیریت واپس جاسکے اور اس میں کسی قسم کی بھی رکاوٹ نہ ہو۔ اب جب عبوری حکومت کے عبوری وزیراعظم کے ناموں کی پٹاری کھلی تو اندازہ ہوا کہ مذکورہ بالا صفات کی حامل حکومت تو شاید نہ بن سکے اور نہ موجودہ حکومت شہادت پانے کی کوشش میں کامیاب ہو سکے تو پھر ناگزیر طور پر عبوری حکومت پر مشاورت کرنی ضروری ہو گئی۔ مختلف سیاسی جماعتوں نے عبوری وزیراعظم کے لیے جو نام دیئے ہیں ان میں ایک نام ایک ایسی معروف خاتون کا بھی ہے جو اپنے مخصوص لبرل اعمال اور خیالات کے باعث وطن عزیز میں خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ اور نظریاتی یعنی دینی خیالات سے ہمہ وقت آمادہ پیکار بھی رہتی ہیں۔ ان کا نام سامنے آنے پر حیرت تو نہ ہوئی کہ حکمرانوں کی طرف سے کسی ایسے ہی ہم خیال و ہم عمل نام کی توقع تھی۔ ہاں البتہ اس کے تائید کنندگان میں جب ان لیگ کا نام دیکھا تو پریشان کن حیرت ہوئی اب ملک کی سیاسی فضا میں ان لیگ اور میاں صاحب مترادف ہیں، میاں صاحب کے دین پسند خاندان میں سے ہونے کی خوش گمانی سخت مجروح ہوئی توقع نہ تھی کہ میاں صاحب اقتدار کی راہداریوں تک پہنچنے کے لیے کسی ایسی خاتون کے نام کی بھی تائید کر دیں گے، جس کی انتشار خیالی سے قانون تو بین رسالت، عدلیہ کا احترام، افواج پاکستان کا وقار، پاکستان کی نظریاتی اساس تک نہ محفوظ ہوں ایسی خاتون کی ان لیگ کی طرف سے تائید؟ اگرچہ یہ سب کوشش چوہدری نثار کر رہے ہیں لیکن عوام تو ان لیگ صرف میاں صاحب کو سمجھتے ہیں۔

جناب صدر نے کراچی میں جو چلہ کاٹا ہے کیا وہ صرف کسی روحانی بزرگ کی اس ہدایت پر کاٹا کہ وہ فلاں تاریخ تک پہاڑوں سے دور اور سمندر کے قریب رہیں؟ ان کے قیام کراچی کا اس ہدایت میں محصور ہونا کم از کم ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا، طویل جلا وطنی، روابط کی وسعت، سیاسی مشاہدے کی قوت، حکمرانی کی تربیت خیالات کی ندرت اور گفتگو کی قدرت نے ان کے فارغ نہ بیٹھنے والے جنوں کو خوب جلا بخشی ہے وہ ہر وقت اپنا گریباں چاک کرنے کے موڈ میں ہوں یا نہ ہوں لیکن مخالفین کو گریباں میں منہ ڈالنے پر مجبور کر دیتے ہیں، کراچی میں انھوں نے سیاسی مراقبے بھی کیے ہوں گے اور سیاستدانوں کے مکاشفے بھی۔ وہ تو اب اس چلے کے کشٹ کو بروئے عمل یوں لائیں گے کہ وہ

اپنے حلیفوں کو اعتماد میں لیں گے اور حریفوں کو بھرے میں لا کر دور رس حکمت عملی اپنا کر اپنی حکومت کو شہادت سے سرفراز کرنا چاہیں گے یا پھر وہ عوام کو بہلا کر، سیاستدانوں کو سرخ بتی دکھا کر اسٹیمبلشنٹ کو الجھا کر اور چشم پار کی شہہ پا کر دوبارہ سریر آرائے سلطنت ہو جائیں گے اور ثابت کر دیں گے کہ واقعی ایک زرداری سب پر بھاری ہے۔

ہمارا مقصود تحریر تو اس حیرانی کا اظہار ہے جو ایک معروف خاتون کے نام پر جناب میاں صاحب کی تائید سے نہ صرف ہم کو بلکہ میاں صاحب کے تمام نیاز مندوں کو ہوئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیاسی جماعتوں میں سے نظریہ پاکستان کی سلگتی چنگاری صرف ان لیگ میں محسوس کرتے ہیں۔ میاں صاحب کے ان محبان کا یہ بھی کہنا ہے کہ طاغوت ہمیشہ خمیر یہ نظر رکھتا ہے۔ اس کا ”دست شفقت“ ہمیشہ ایسے ہی سروں پر ہوتا ہے جن کا خمیر ان کے حسب منشا ہو، میاں صاحب جو بھی جتن کر لیں وہ یعنی طاغوت میاں صاحب کے خاندانی مزاج میں دین کے خمیر کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ میاں صاحب جس طرح بھی یقین دلانے کی کوششیں کر لیں جو اطمینان و اعتماد طاغوت کو لا دین خمیر پر ہو سکتا ہے وہ آپ پر نہیں ہو سکتا اس لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ میاں صاحب اب بادشاہت کی خواہش دفن کر کے بادشاہ گر بن جائیں تاکہ کلاہ عزت و افتخار کا شملہ بلند ہی رہے۔ جنابہ عاصمہ جہانگیر کی تائید کے بعد ان لیگ کی حلیف جو دینی جماعتیں ہیں انھیں بھی اپنا بھرپور احتجاج ریکارڈ پر لانا چاہیے تاکہ عند اللہ اور عند الناس جوابدہی سے بری ہو کر وہ اپنی دینی ساکھ اور عالمانہ وقار برقرار رکھ سکیں۔

یہ ماجرا کیا ہے؟

گزشتہ دنوں بھارتی وزیر داخلہ کے اس بیان نے ’کہ بھارت میں دہشت گرد جماعتیں بھی ہیں اور کمپ بھی‘ وہ سارے عقدے حل کر دیے اور گرہیں کھول دیں جو سالہا سال سے وطن عزیز میں ہونے والی دہشت گردی کے گرد لگی ہوئی تھیں۔ باخبر حلقے ایک عرصے سے کہہ رہے تھے کہ وطن عزیز میں علاقائی تعصب، لسانی نفرت اور مذہبی منافرت کی آگ کو بھارت سے ہوا مل رہی ہے لیکن جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کے بعد..... مسئلہ کشمیر تو لٹک گیا..... لیکن ہر حکومت بھارت سے دوستی کے لیے بہت بے تاب رہی۔ حیرانگی ہے کہ بھارتی وزیر داخلہ کے اس کھلے اعتراف کے باوجود ہماری حکومت نے عالمی سطح پر نہ اس بیان کو پھیلایا نہ اس پر کچھ ایسا احتجاج کیا جس سے ہم بھارت کی وطن عزیز کے بارے میں دہشت گردی کی چیخ و پکار کو اس پر لوٹا کر عالمی پریس کو یہ باور کراتے کہ لیجیوہ الزام ’ہم‘ کو دیتے تھے قصور ان کا‘ نکل آیا۔

بننے کی حاضر دماغی دیکھیے کہ اس نے بغل میں چھری رکھ کر منہ سے وہاں ہی رام رام کہا جہاں اس کو فائدہ نظر آیا۔ جب اس کو اپنے سریے، سینٹ کی منڈی مل گئی تو اس نے رام رام کہہ کر اپنی ملکی صنعت کو فروغ دے لیا۔ اس کی فلموں اور نغموں کے لیے نئی نسل کس قدر بے تاب ہے؟ یہ آپ C.D اور کیسٹوں کی مارکیٹ سے جا کر معلوم کریں تو آپ کے دماغ کی کھڑکیاں کھل جائیں گی کہ بھارت صرف اسی شعبے کی آمدن سے کشمیریوں پر ظلم کے اخراجات پورے کر سکتا ہے۔ نیت کا حال تو خدا جانے لیکن وطن عزیز میں وفاقی حکومت کے پیدا کردہ توانائی کے بحران کے باعث سبزیوں کی افزائش چونکہ کم سے کم تر ہو رہی ہے لہذا ٹماٹر، ادراک، شملہ مرچ وغیرہ بہت سی سبزیاں آج کل بھارت سے آرہی ہیں، ادھر موجودہ حکمران بھارت کو پسندیدہ ترین ملک کا اعزاز بخشنے کے لیے بے چین ہیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے جماعت الدعوتہ جیسے دین و ملک کے مخلصین ابھی تک آڑے آئے ہوئے ہیں وگرنہ گویئے، ڈھوپچی اور فنکار روآرٹسٹ نامی دنیا سرحدی لکیر کب کی مٹا چکی ہوتی۔

باقی رہی ہمارے حکمرانوں، اور مادر پدر آزاد طبقے کی بھارت کے لیے دوستی کی خواہش؟ کہ وہ اب چھپائے نہیں چھپ رہی اور..... مشرق کا ملک..... بھارت مغربی عشوہ گری سے اگر انکار نہیں کر رہا تو اس خواہش کو اہمیت بھی قطعاً نہیں دے رہا، اس پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ

ہم ہیں بے تاب اور وہ ہیں بے زار
یا الہی! یہ ماجرا کیا ہے

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

ہے۔ جس طرح پتھر پر بارش کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح اس کے دل پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشْقُقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۷۴]

”پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں جیسے ہیں، یا سختی میں (ان سے بھی) بڑھ کر ہیں اور بے شک پتھروں سے کچھ یقیناً وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان سے کچھ یقیناً وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں، پس ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان سے کچھ یقیناً وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔“

پتھر بھی اللہ کے جلال کی بنا پر خشیت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں جیسے کہ کوہ طور اللہ کی تجلی سے پاش پاش ہو گیا تھا۔

اللہ کے کلام پاک کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَاهُ خَائِشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ [الحشر: ۲۱]

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً ٹوٹا سے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا۔“

مگر جس کا دل پتھر ہو گیا ہو اسے قرآن کی کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ یہی مردہ دلوں کا حال ہے۔ اللہ کا رسول انذار تو تمام کو کرتا ہے اور اس کے مخاطب سبھی لوگ ہوتے ہیں مگر اس انذار کا فائدہ انہی کو

﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ [یس: ۷۰]

”تا کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور انکار کرنے والوں پر بات ثابت ہو جائے۔“

یہاں ﴿لِيُنْذِرَ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ شاعر نہیں، رسول ہیں۔ میں نے ان پر اس لیے ”قرآن مبین“ نازل کیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے ان کو ڈرائیں، جیسے فرمایا:

﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنَ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾

[الأنعام: ۱۹]

”اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اسے بھی جسے یہ پہنچے۔“

شروع سورت میں بھی بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ رسول ہیں۔ غالب اور رحیم ہستی نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ قوم کو ڈرائیں۔ اور ڈرائیں اُسے ﴿مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ جو زندہ ہے۔ ”زندہ سے مراد یہاں حیات عقلی اور حیات قلبی دونوں ہیں، یعنی جس میں سوچنے سمجھنے کی بصیرت ہے۔ جن کے دل مردہ ہوں اور تکبر و عناد کی وجہ سے عقل و فکر میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اُسے آپ ﷺ کتنی ہی درد مندی اور جان کپی سے سمجھائیں وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو زندہ ہے اور انذار کو قبول کرتا ہے اور اس سے مستفید ہوتا ہے۔

دوسرا وہ جو مردہ ہے وہ انذار قبول نہیں کرتا اور اسے انذار کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ اس کے دل کی زمین بخر ہے بلکہ پتھر بنی ہوئی

پہنچتا ہے جن کے دل زندہ، نرم اور خیر و بھلائی کو قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور اللہ کا ڈران دلوں میں سایا ہوا ہوتا ہے جیسے پہلے اسی سورہ یس میں بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذُّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ
بِالْغَيْبِ﴾ [یس: ۱۱]

”تو تو صرف اسی کو ڈراتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرے اور
رحمان سے بن دیکھے ڈرے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذُّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

[الذاریات: ۵۵]

”اور نصیحت کر کیونکہ نصیحت یقیناً ایمان والوں کو نفع
دیتی ہے۔“

سورہ ق (آیت: ۳۵) میں بھی ہے:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْدِ﴾ [ق: ۴۵]

”سو قرآن کے ساتھ اس شخص کو نصیحت کر جو میرے عذاب
کے وعدہ سے ڈرتا ہے۔“

قرآن مجید نے انھی کو زندہ قرار دیا ہے۔ اور جو انذار کے باوجود
قرآن سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے قرآن مجید میں انھیں مردہ
قرار دیا گیا ہے۔ وہ چلتے پھرتے انسان ضرور ہیں مگر جیسے مردے سننے
سے محروم ہیں اسی طرح یہ بھی حق بات سننے اور قبول کرنے سے محروم
ہیں۔ جیسا کہ پہلے سورہ فاطر (آیت: ۲۳) میں بیان ہوا ہے۔ انھیں
انذار کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

﴿وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اور انذار کا انکار کرنے
والوں (کافروں) پر بات ثابت ہو جائے۔ گویا یہ عقوبت ان کے انکار کا
نتیجہ ہے۔ اسی ”حق القول“ کا ذکر پہلے (آیت: ۷) میں بھی ہوا ہے کہ
اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو شیطان کے جواب میں تھا:

﴿قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ لَا مَلَأْتُنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ

وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [ص: ۸۴، ۸۵]

”پھر حق یہ ہے کہ اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں ضرور
بالضرور جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا جو
ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔“

یہی بات ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمائی:

﴿وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ
أَصْحَابُ النَّارِ﴾ [غافر: ۶]

”اسی طرح ان لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی
جنھوں نے کفر کیا کہ بے شک وہی آگ والے ہیں۔“

سورہ الزمر میں بھی ہے کہ جب کافروں کو جہنم کی طرف لے جایا
جائے گا تو ان سے کہا جائے گا:

﴿الْمَ يَأْتِيَكُمُ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ
رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَى
وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

[الزمر: ۷۱]

”کیا تمھارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں آئے جو تم پر
تمھارے رب کی آیات پڑھتے ہوں اور تمھیں تمھارے اس
دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ کہیں گے: کیوں نہیں،
اور لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔“

جیسے کفار کے لیے عذاب ”حق“ اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اسی
طرح ان کی گمراہی اور ایمان سے محرومی بھی ان کا ”حق“ اور مقدر
ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:

﴿كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا إِنَّهُمْ
لَا يُؤْمِنُونَ﴾ [یونس: ۳۳]

”اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر سچی ہوگئی جنھوں
نے نافرمانی کی کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

یعنی یہ چلتے پھرتے مردہ کفار انذار کو قبول نہ کر کے دولتِ ایمان
سے بھی محروم رہیں گے اور عذابِ جہنم کے بھی مستحق بنیں گے۔

عقیدہ اور اس کے احکام

مولانا غازی عزمیر

ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا ختنہ کیا، آپ کی پیدائش کی خوشی اور اعزاز میں قبیلہ والوں کو دعوت دی اور آپ کا نام محمد رکھا۔^۱

امام ابن قیمؒ اور امام ابن جوزیؒ نے بھی اس واقعہ کو صحیح بتایا ہے۔ ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ ”اس باب میں ایک مسند غریب حدیث موجود ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبدالمطلب نے نبی ﷺ کا ختنہ ساتویں دن کیا۔ ان کی پیدائش کی خوشی اور اعزاز میں اہل قبیلہ کو دعوت دی اور ان کا نام محمد ﷺ رکھا۔“^۲

عقیدہ کی مشروعیت اور اس کے دلائل:

ذخیرۃ احادیث رسول اللہ ﷺ میں بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جو عقیدہ کی مشروعیت و تاکید اور اس کے سنت و استحباب کی وجوہات پر دلالت کرتی ہیں۔ ان احادیث کو ثقہ راویوں کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے چند احادیث ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

حدثنا ابو النعمان، حدثنا حماد بن زید عن

ایوب عن محمد عن سلمان بن عامر قال:

مع الغلام عقیده. (صحیح بخاری)

”ابونعمان، حماد بن زید، ایوب، محمد بن سیرین نے

عقیدہ کا لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم:

”عق“ یا ”عقیدہ“ کا لغوی معنی ”قطع“ کرنا ہے۔ عام بول چال میں کبھی بھی اہل عرب لفظ ”عق“ قطع کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں:

”عق والدیه إذا قطعهما.“

ایک عرب شاعر کا شعر بھی ”عق“ کا یہی مفہوم ادا کرتا ہے:

بلاد بها عق الشباب تمائمی

و أول ارض مس جلدی ترابها

شریعت کی اصطلاح میں لفظ ”عقیدہ“ کا معنی یہ ہے کہ ”ہر مولود کی ولادت کے عموماً ساتویں دن بکری ذبح کرنا۔“ احادیث میں ”عقیدہ“ کو ”نسک“ بھی کہا گیا ہے۔

اسلام سے قبل عقیدہ کا رواج:

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلام سے قبل بھی مختلف معاشروں میں عقیدہ کا رواج قائم تھا۔ اگرچہ ان کی شکلیں مختلف تھیں۔ عیسائی پتسمہ کی شکل میں عقیدہ کرتے تھے جب کہ عہد جاہلیت کے اہل عرب اور شرفاء مولود کا نام رکھتے وقت جانوروں کی قربانی کرتے اور اس کا خون مولود کے سر پر ملتے تھے۔^۳

اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے خود رسول اللہ ﷺ کے عقیدہ کے متعلق اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ ”آپ ﷺ کی پیدائش کے

۱ شابکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا مرتبہ سید قاسم محمود مطبع شاہکار فاؤنڈیشن، ص: ۱۰۸۲۔

۲ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد لامام ابن القیم (۳۵۱) و تاریخ اسلام مصنفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (۹۰۱) انگریزی ترجمہ حیات محمد ﷺ مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل

مصری (ص: ۲۸) طبع امریکا وغیرہ۔

۳ اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب کا قول ہے کہ اس حدیث کو میں نے بجز ابن الیسری کے اہل الحدیث میں سے کسی بھی ایک شخص کے پاس نہ پایا۔

سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔“

حجاج، حماد، ایوب، قتادہ، ہشام، حبیب، ابن سیرین اور سلمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔ (صحیح بخاری) ان کے علاوہ کئی حضرات عاصم اور ہشام سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، وہ رباب سے، وہ سلمان بن عامر العنمی اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری) یزید بن ابراہیم نے ابن سیرین سے اور انھوں نے سلمان سے ان کا قول نقل کیا ہے۔ (صحیح بخاری) اصغ ابن وہب سے، وہ جریر بن حازم سے، وہ ایوب سختیانی سے، وہ محمد بن سیرین سے، وہ سلمان بن عامر الضمی رضی اللہ عنہ سے کہ

قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ((مع الغلام عقیقة فاهریقوا عنه دما، وأمیطوا عنه الأذى.)) (صحیح بخاری)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عقیقہ لڑکے کے ساتھ ہے۔ لہذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس پر سے اذیت کو دور کرو۔“

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل غلام رھین ۱ بعقیقة تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمی . (رواہ سنن ابوداود)

”ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ منسلک یا بندھا ہوا ہے اس کے ساتویں دن اس کی طرف سے ذبیحہ کیا جائے گا اس کا سر مونڈا جائے گا اور نام رکھا جائے گا۔“

اس روایت کی تمام اسناد صحیح ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ”یہ حدیث حسن صحیح ہے“ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب

”الاذکار“ (ص: ۲۵۴) میں نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن ابی الاسود قریش بن انس اور حبیب بن شہید عقیقہ کی حدیث کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ

قال امرنی ابن سیرین ان اسال الحسن ممن سمع حدیث العقیقة فسالته فقال من سمره بن جندب . (صحیح بخاری)

”مجھے محمد بن سیرین نے حکم دیا کہ میں امام حسن بصری سے دریافت کروں کہ انھوں نے عقیقہ کے متعلق حدیث کس سے سنی ہے؟ جب میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے۔“

حضرت بریدہ اور اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے:

ان الناس يعرضون يوم القيامة كما يعرضون على الصلوات الخمس .

”بے شک قیامت کے دن لوگوں کو پنج وقتہ نماز کی طرح عقیقہ پر بھی پیش کیا جائے گا۔“

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ”کتاب العقیقة“ کے زیر عنوان ”اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة“ یعنی عقیقہ کے ذریعہ بچے کی اذیت دور کرنا، ایک مستقل باب قائم کیا اور اس میں عقیقہ سے متعلق احادیث جمع کی ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں عقیقہ کے متعلق مستقل ابواب مقرر کیے اور اس ضمن کی احادیث جمع کی ہیں۔

عقیقہ کی مشروعیت کے اثبات میں یہاں اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں لیکن لا حاصل طول اور تکرار محث سے بچنے کے لیے بعض احادیث کو احکام بیان کرتے وقت آگے پیش کیا جائے گا۔

عقیقہ پر سلف صالحین کا عمل:

تمام مستند احادیث اور روایات کے مطالعہ سے یہ بات وثوق کی

۱ بعض احادیث میں ”کل غلام رھینۃ“ اور بعض میں ”الغلام مرتھن“ کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سنن ابوداود، کتاب الاضاحی باب فی

حد تک پہنچ جاتی ہے کہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں تمام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اس سنت پر عمل رہا ہے۔ بعد کے ادوار میں بھی تمام اہل علم اور عامل بالجہد میں اس سنت پر سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا رہا ہے۔ نیز اس پر خود رسول اللہ ﷺ کا عمل کرنا اور آج تک اس پر تواتر کے ساتھ عمل ہوتے چلے آنا بہ ذاتِ خود اس کی مشروعیت کی واضح دلیل ہے۔

عقیدہ کی شرعی نوعیت پر فقہاء کی آراء:

اس امر میں فقہائے اسلام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ عقیدہ کی شرعی نوعیت یا حیثیت کیا ہے؟ مشہور مسالک میں سے اہل حدیث (سلفی)، شافعی، حنبلی اور مالکی عقیدہ کی مشروعیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض اس کی شرعی نوعیت کی تعیین میں اختلاف رکھتے ہیں۔

ائمہ مجتہدین کا ایک گروہ جو عقیدہ کے سنت اور مستحب ہونے کا قائل ہے۔ اس میں امام مالک، اہل مدینہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور، علمائے اہل حدیث اور فقہ و علم و اجتہاد کے کبار علماء کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔ فقہاء کا ایک دوسرا گروہ جو عقیدہ کی حسیتم اور وجوب کا قائل ہے، اس میں امام حسن بصری، امام لیث، امام ابن سعد وغیرہ شامل ہیں اور امام حزم تو عقیدہ کو فرض قرار دیتے ہیں۔

(ماہنامہ محدث لاہور، ج: ۱۴، عدد: ۱۱، ص: ۴۱۹)

فقہاء کا ایک تیسرا گروہ وہ ہے جو سرے سے عقیدہ کی مشروعیت کا قائل ہی نہیں ہے۔ اس گروہ میں فقہاء حنفیہ کا شمار ہوتا۔ عقیدہ کے سنت و مستحب ہونے کے شرعی دلائل:

عقیدہ کے سنت و مستحب ہونے پر بہت سی احادیث نبوی ﷺ شاہد ہیں، مثلاً:

﴿من ولد له ولد فاحب ان ينسك عنه﴾

فلينسك عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة. (سنن أبي داود)

”جس شخص کو بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے ذبیحہ کرنا چاہے تو لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ذبح کرے۔“

﴿من ولد له ولد فاحب ان ينسك عن ولده فليفعل﴾. (موطا امام مالک)

”جس شخص کو بچہ پیدا ہو اور وہ اپنے بچہ کی طرف سے ذبیحہ کرنا چاہے تو کرے۔“

﴿مع الغلام عقیقة، فاهريقوا عنه دما، وأميطوا عنه الأذى﴾. (صحیح بخاری)

اور

﴿كل غلام رهين بعققة تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمي﴾. (سنن أبي داود)

ان تمام روایات سے عقیدہ کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

عقیدہ کے واجب ہونے کے دلائل اور ان کا علمی جائزہ:

جو فقہاء عقیدہ کی حسیتم اور وجوب کے قائل ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱: بریدہ اور اسحاق بن راہویہ کی روایت:

”ان الناس يعرضون يوم القيامة على العققة كما يعرضون على الصلوات الخمس.“

وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

۲: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

((كل غلام رهينة بعققة.))

(رواہ اصحاب السنن)

۱ موطا امام مالک میں مذکور ہے: جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور عروہ بن زبیر تابعی اپنی اولاد کا عقیدہ کیا کرتے تھے۔ اور موطا امام محمد کے حاشیہ پر یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عقیدہ کیا کرتے تھے۔ (تعلیق المجد حاشیہ موطا امام محمد)

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

”الغلام مرتھن بعقیقته.“

ان روایات کے الفاظ ”رہینہ“ اور ”مرتھن“ عقیقہ کے

وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

۳: حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے مروی

حدیث کے الفاظ ”مع الغلام عقیقۃ“ بھی وجوب کی طرف

اشارہ کرتے ہیں۔

۴: اگر والدین بچہ کی طرف سے عقیقہ کریں تو بچہ اپنے والدین کی

شفاعت پر محبوب و مامور ہے۔ یہ امر بھی عقیقہ کے وجوب کا

مقتضیٰ ہے۔

جوفتہائے کرام عقیقہ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ ان دلائل

کے حسب ذیل جوابات دیتے ہیں:

۱: اگر عقیقہ کرنا واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے امت پر اس کا

وجوب کافی اور واضح طریقہ پر بیان کیا ہوتا۔

۲: اگر عقیقہ کرنا واجب ہوتا تو اس کا وجوب دین و شریعت سے معلوم

ہوتا۔

۳: اگر عقیقہ واجب ہوتا تو اس پر حجت قطعی موجود ہوتی، اور اس کا

وجوب صرف عذر شرعی کی موجودگی میں منقطع ہوتا۔

۴: اگر عقیقہ واجب ہوتا تو عذر شرعی کی عدم موجودگی میں ترک کیا

جانے والا عقیقہ گناہ کا سبب ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ کا خود عقیقہ کرنا اس کے وجوب کے بجائے

استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

۶: احادیث نبوی کے الفاظ ”رہینہ“ اور ”مرتھن“ ”مع

الغلام عقیقۃ“ اور ”الناس یعرضون يوم القيامة

على العقیقۃ“ وغیرہ عقیقہ کے وجوب کے بجائے اس کے

استحباب پر دلالت کرتے ہیں۔

۷: عقیقہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ”من ولد له

ولد فاحب ان ينسك عنه فلينسك“ إلخ اور ”من

ولد له ولد فاحب ان ينسك فليفعل“ کے یہ الفاظ

بھی عقیقہ کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہیں۔

عقیقہ کی مشروعیت کے انکار کی بنیاد اور اس کا علمی جائزہ:

جوفتہاء عقیقہ کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں، ان کی حج و دلائل

یہ ہیں:

۱: عمرو بن شعیب کی حدیث جسے انھوں نے اپنے والد سے اور

انھوں نے ان کے دادا سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ

ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا احب العقوق.)) (رواہ البیہقی)

”عقیقہ مجھے پسند نہیں۔“

۲: ابی رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی والدہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کا عقیقہ دو بھیڑوں سے کرنے کا ارادہ

کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((لا تعقی ولکن احلقی راسه فتصدقی

بوزنه من الورق۔ ثم ولد حسین فصنعت

مثل ذلك.)) (رواہ أحمد)

”عقیقہ نہ کرو مگر اس کا سر موٹو اور اس کے بال کے وزن کی

مقدار میں چاندی صدقہ دو۔ پھر جب حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت

ہوئی تو میں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔“

عقیقہ کی مشروعیت کے منکرین کے ان دلائل کا جواب محققین اس

طرح دیتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے عقیقہ کی مشروعیت کے انکار پر

استدلال کیا جاتا ہے، ان کی کوئی حقیقت نہیں، اور وہ کچھ بھی نہیں

ہیں۔ اس انکار کی کوئی دلیل بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ تمام دلیلیں اپنے

ظواہر کے اعتبار سے عقیقہ کے سنت و مستحب ہونے کی تائید و تاکید ہی

ثابت کرتی ہیں۔ لہذا جمہور فقہاء اور اکثر اہل علم و اجتہاد اسی طرف

گئے ہیں۔

جہاں تک عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی حدیث میں

رسول اللہ ﷺ کے الفاظ: ((لا احب العقوق)) کا تعلق ہے تو

تعلق ہے تو فی الحقیقت اس روایت سے بھی عقیقہ کی مشروعیت کے انکار یا اس کی کراہت پر دلالت نہیں ہوتی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں، حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے خود کرنا پسند فرمائے تھے۔ (جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔) چونکہ آپ ﷺ نے ان حضرات کے عقیقہ خود فرمائے تھے، اس لیے مکرر عقیقہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ پس آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ”ان کے عقیقہ نہ کرو، لیکن سر کے بال مونڈ واؤ اور بالوں کے وزن کی مقدار میں چاندی صدقہ دو۔“ رسول اللہ ﷺ کا خود عقیقہ فرمانا:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقہ خود فرمائے تھے۔ اس بات کی تائید میں بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے چند ذیل میں پیش خدمت ہیں:

۱: حضرت ایوب نے عکرمہ اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

”ان رسول اللہ ﷺ عقیق عن الحسن والحسين كبشا كبشا.“ (رواہ أبو داود)

”رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ ایک ایک بھیڑ سے کیا۔“

۲: حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں:

”ان رسول اللہ ﷺ عقیق عن الحسن والحسين.“ (سنن نسائی)

”رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔“

۳: جریر بن حازم نے قتادہ اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

”ان النبی ﷺ عقیق عن الحسن والحسين كبشين.“

”نبی ﷺ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ دو بھیڑوں سے کیا۔“

اس حدیث کا سیاق اور اس کے ورود کے اسباب اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عقیقہ قطعاً سنت و مستحب ہی ہے۔ حدیث کے سیاق و سباق کے الفاظ ملاحظہ ہوں، جو اس طرح ہیں: ”عقیقہ کے متعلق جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے عقیقہ پسند نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے ایسا اس لیے فرمایا تھا، کیونکہ آپ کو یہ نام ناپسند تھا۔ (یعنی ذبیحہ کو عقیقہ کہنا) پھر لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے جب کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((من احب منکم ان ینسک عن ولده فلیفعل عن الغلام شاتان مکافتان وعن الجارية شاة.))

”یعنی تم میں سے جو اپنے بچہ کی طرف سے ذبیحہ کرنا چاہے وہ لڑکے پر ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی پر ایک بکری ذبح کرے۔“

اس حدیث کے ظواہر سے فقہاء کے ایک گروہ نے لفظ ”عقیقہ“ کا ”نسکیہ“ سے استدلال پر استدلال کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ”عقیقہ“ نام ناپسند تھا۔ لیکن فقہاء کا ایک دوسرا گروہ اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا اور اس نا اتفاقی کی وجہ وہ بہت سی احادیث بتاتا ہے جن میں اس موقع کے ذبیحہ کا نام ”عقیقہ“ خود رسول اللہ ﷺ سے بلا اظہار کراہت مروی ہے۔ علماء کا ایک تیسرا گروہ ان دونوں آراء کے مابین اتحاد و اتفاق کی صورت یہ پیش کرتا ہے کہ اس موقع کے ذبیحہ کے لیے ”عقیقہ“ اور ”نسکیہ“ دونوں ناموں کا استعمال درست اور صحیح ہے۔ لفظ ”نسکیہ“ استعمال کرنا اگرچہ بہتر ہے لیکن حکم بیان کرنے یا وضاحت یا مراد و مقصد کے اظہار کے لیے ”عقیقہ“ کا لفظ استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور یہ طریقہ احادیث نبوی سے موافق بھی ہے۔

اور جہاں تک منکرین مشروعیت عقیقہ کی دوسری دلیل یعنی ابی رافع کی حدیث کے الفاظ ”لا تعقی ولكن احلقی رأسه“ الخ کا

۴: ”بکی بن سعید نے عمرہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ

”عق رسول اللہ ﷺ عن الحسن والحسين يوم السابع .“

”رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسن و حسینؓ کا عقیقہ ساتویں دن فرمایا۔“

کیا مذکر کا عقیقہ مونث کے مثل ہے:

تمام اہل علم و جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک متفقہ طور پر مونث اور مذکر دونوں پر عقیقہ کیا جانا یکساں طور پر مستحب سنت ہے اور اس کی شرعی نوعیت میں مذکر و مونث کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے، لیکن مونث و مذکر کی فضیلت و مراتب کے فرق کے اعتبار سے آیا مذکر و مونث دونوں پر ایک ایک بکری یا دونوں پر دو دو بکریاں یا ان میں سے کسی پر ایک اور کسی پر دو بکریاں ذبح کرنا مشروع ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کی دو مختلف رائے ہیں۔

حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، اہل حدیث اور اہل علم حضرات کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہ ہے کہ مونث و مذکر کی فضیلت اور مراتب کے فرق کے اعتبار سے مذکر کے لیے دو بکریاں اور مونث کے لیے ایک بکری ذبح کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مثلاً: ام کرز کعبیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((عن الغلام شاتان وعن الانثى واحدة.))

(رواہ أحمد والترمذی)

”لڑکے پر دو بکریاں اور لڑکی پر ایک بکری ہے۔“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

”امرنا عليه الصلاة والسلام ان تعق عن الغلام بشاتين وعن الجارية شاة .“

(رواہ ابن ابی شیبہ)

”ہمیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ہے کہ لڑکے پر

دو بکریاں اور لڑکی پر ایک بکری سے عقیقہ کیا جائے۔“

اور

من ولد له ولد فاحب ان ينسك عنه فلينسك عن الغلام شاتين و عن الجارية شارة .

(سنن أبي داود و سنن نسائي)

نوٹ: اس مسلک کی تائید میں کچھ اور احادیث ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ”عقیقہ کا جانور کیسا ہو؟“ کے زیر عنوان پیش کی جائیں گی۔

اس مسلک کے برخلاف امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مذکر اور مونث دونوں پر یکساں طور پر ایک ایک بکری ہی ذبح کرنا مسنون ہے اور ان کے مابین عقیقہ میں فضیلت و مراتب کے فرق کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اس مسلک کی تائید میں امام مالک رحمہ اللہ خود رسول اللہ ﷺ کا فعل یعنی حضرات حسن و حسینؓ کا عقیقہ والی مندرجہ ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱۔ عن ابن عباس رضى الله عنهما ان

رسول الله ﷺ عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا . (رواه أبي داود)

۲۔ ذكر جرير بن حازم عن قتادة عن انس ان النبي ﷺ عق عن الحسن والحسين كبشين .

۳۔ روى جعفر بن محمد عن ابیه ان فاطمة ذبحت عن حسن وحسين كبشا كبشا .

”جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسن و حسینؓ کا عقیقہ پر ایک ایک بھیڑ ذبح کی۔“

۴۔ امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”وكان عبد الله بن عمر رضى الله عنهما يعق عن الغلمان والجواری من ولده شاة شاة .“

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جو تھے انھوں نے اپنی اولاد میں سے لڑکے اور لڑکیوں کی طرف سے ایک ایک بکری کا

عقیقہ کیا۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے بعض لوگوں نے سوال کیا کہ لڑکے اور لڑکی پر کتنے جانور ذبح کیے جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”يذبح عن الغلام شاة واحدة وعن الجارية شاة.“

محققین اور اہل علم حضرات اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ استطاعت دے تو لڑکے پر دو جانور اور لڑکی پر ایک جانور ذبح کیا جائے۔ اگر لڑکے کے عقیقہ پر دو جانور ذبح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو ایک جانور ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح لڑکی کے عقیقہ پر ایک سے زیادہ جانور ذبح کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عقیقہ کرنے کا مستحب وقت:

بچہ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کرنا افضل اور مسنون ہے، جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی اور رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے:

”كل غلام رهين بعقيقة تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى.“ (رواه أبو داود و ترمذی و نسائی وابن ماجه عن سمره بن جندب)

اور

عن رسول الله ﷺ عن حسن وحسين يوم السابع وسماهما وأمر أن يماط عن رؤوسهما الأذى. (رواه عبد الله بن وهب عن عائشة رضي الله عنها)

مندرجہ بالا دونوں احادیث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں عقیقہ کے ذبیحہ کے لیے ولادت کا ساتواں دن بلاشبک وشبہ مستحب قرار پاتا ہے، لیکن بعض احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ولادت کے ساتویں دن عقیقہ نہ کیا جاسکے تو چودھویں دن کیا

جائے اور اگر چودھویں دن بھی نہ کیا جاسکے تو اکیسویں دن کیا جائے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے عقیقہ کے بارے میں فرمایا:

((تذبح لسبع ولأربع عشرة ولإحدى وعشرين.))

(سنن بیہقی: ۳۰۳/۹ واسنادہ ضعیف)

”ساتویں، چودھویں اور اکیسویں دن ذبح کیا جائے گا۔“

حضرت ام کرز اور ابو کرز روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عقیقہ کے متعلق فرمایا:

ولكن ذاك يوم السابع فان لم يكن ففى اربعة عشر فان لم يكن ففى احد وعشرين.

(مستدرک حاکم: ۲۳۸/۴، ۲۳۹)

”یہ یعنی عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہیے اور اگر نہ ہو سکے تو

چودھویں دن اور پھر بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن۔“

میمونی کا قول ہے: ”میں نے ابو عبد اللہ سے سوال کیا کہ لڑکے پر عقیقہ کب کیا جاتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساتویں دن، چودھویں دن اور اکیسویں دن۔

صالح بن احمد فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

تذبح يوم السابع وان لم يفعل ففى اربعة عشر فان لم يفعل ففى احد وعشرين.

یعنی ساتویں دن ذبح کیا جائے گا، پس اگر ایسا نہ کر سکے تو

چودھویں دن اور اگر چودھویں دن بھی نہ کر سکے تو پھر

اکیسویں دن۔

دن کی اس تعیین کے سلسلے میں محققین کی رائے ہے کہ ”عقیقہ ساتویں دن کیے جانے کی قید لزوم کے باب سے نہیں بلکہ استحباب کی وجہ سے ہے، پس اگر ساتویں دن کے بجائے چودھویں اور اکیسویں دن اور بعض کے نزدیک چوتھے، آٹھویں، دسویں یا اس کے بعد کبھی

ساتویں یا چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنے میں جواہر و استحباب ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ سید قاسم صاحب تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ اگر والدین (عقیقہ) نہ دے سکیں تو بچہ جوان ہو کر خود کرے۔

(شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص: ۱۰۸۲، مطبع شاہکار فاؤنڈیشن)

عقیقہ کے دن بچہ کا نام رکھنا:

عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں:

”ان النبی ﷺ امر بتسمیة المولود یوم سابعه ووضع الاذی عنه والعق.“ (رواہ الترمذی)
 ”نبی ﷺ نے مولود کا نام اس کے ساتویں دن رکھنے، اس کی تکلیف دور کرنے اور عقیقہ کرنے کا حکم فرمایا۔“

اس حدیث کو شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ”الاذکار“ (ص: ۲۵۴) اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”صحیح الکلم الطیب“ میں بھی نقل کیا ہے۔

بعض دوسری احادیث میں بھی عقیقہ کے دن یعنی ساتویں روز بچہ کے نام رکھنے کا اشارہ ملتا ہے، مثلاً:

”کل غلام رہین بعقیقته تذبح عنه یوم سابعه ویحلق ویسمی.“ (رواہ سنن أبي داود)

اور

”عق رسول اللہ ﷺ عن حسن وحسین یوم السابع وسماهما وأمر أن یماط من روؤسهما الأذی.“ وغیرہ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مولود کا نام پیدائش کے ساتویں دن یا پیدائش ہی کے دن رکھا جائے لیکن ساتویں دن نام رکھنا

مستحب ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی، ص: ۲۵۴)
 لیکن جس بچہ کا عقیقہ نہ کیا جائے اس کا اگلے دن نام رکھنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب العقیقہ میں ایک باب

بھی کر لے تو عقیقہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والظاهر ان التقید بالیوم السابع انما هو علی وجه الاستحباب والا فلو ذبح عنه یوم الرابع او الثامن او العاشر او ما بعده اجزأت العقیقة.“ (تربیة الاولاد فی الاسلام للشیخ عبداللہ ناصح علوان: ۹۳/۱ مطبع دار السلام حلب)

”اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں دن کی قید محض استحباب کی وجہ سے ہے۔ اگر بچہ کی طرف سے چوتھے یا آٹھویں یا دسویں یا اس کے بعد کسی اور دن ذبح کیا جائے تو بھی عقیقہ ہو جاتا ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کی ولادت کے ساتویں دن قدرت اور استطاعت رکھتا ہو تو مستحب طریقہ پر اس کا عقیقہ کر کے رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو زندہ رکھے اور اس کی فضیلت و برکات نیز اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب سے بہرہ مند ہو۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ساتویں دن نہ کر سکتا ہو تو چودھویں دن کرے۔ اگر ایسا بھی کرنا ممکن نہ ہو تو اکیسویں دن کرے۔ اور اگر اکیسویں دن کی بھی استطاعت نہ ہو تو جب بھی اللہ تعالیٰ استطاعت بخشے بلا تاخیر عقیقہ کر ڈالے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

[البقرة: ۱۸۵]

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔“

اور

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸]

”اسی نے تمہیں چنا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

کا یہی تقاضا ہے۔ ایسی صورت میں نفس عقیقہ تو ہو جائے گا لیکن

① صحیح الکلم الطیب للامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مع تحقیق واختصار از شیخ ناصر الدین البانی۔

باندھا ہے جو اس طرح ہے:

”باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق

عنه ، وتحنيكه .“

”یعنی جس بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے اس کا اگلے روز نام رکھنا اور تحنیک کرنا۔“

اس باب میں آپ ﷺ نے پانچ روایات جمع کی ہیں۔

عقیقہ کا جانور کیسا ہو؟

ذیل میں عقیقہ کے جانور کے متعلق بعض عام احکام پیش ہیں جن کی مراجعت ضروری ہے۔

(الف)..... علماء کا اجماع ہے کہ جو باتیں ذبیحہ اضحیہ میں ضروری ہیں، ان کا لحاظ ذبیحہ عقیقہ میں بھی ضروری ہے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک ذبیحہ اضحیہ کے دو معیار یہ ہیں:

۱۔ جانور کی عمر ۲۔ جانور کا صحیح و سالم اور عیوب سے پاک ہونا۔
اول الذکر معیار کی تفصیل یہ ہے کہ جانور عموماً ایک سال عمر مکمل کرنے کے بعد دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، خواہ بکرا بکری ہو یا بھیڑ اور دنبہ، لیکن بھیڑ اور دنبہ کے لیے اس کی جسمانی نشوونما کے باعث تھوڑی رعایت بھی ملتی ہے۔ اگر بھیڑ یا دنبہ جسمانی اعتبار سے کافی تندرست اور فربہ ہو تو اس کی قربانی چھ ماہ کی عمر پوری کرنے پر بھی کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ اگر اسے ایک سال کے جانوروں کے درمیان چھوڑ دیا جائے تو جسمانی نشوونما کے باعث اس کی تمیز نہ کی جاسکے۔ لیکن بکرا بکری کے معاملہ میں صحت و تندرستی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے لیے ایک سال کی عمر مکمل کر کے دوسرے سال میں داخل ہونا ضروری ہے۔

آخر الذکر معیار کی تفصیل یہ ہے کہ قربانی کا جانور تمام عیوب سے پاک اور جسمانی اعتبار سے مکمل اور سالم ہونا چاہیے۔ عمیاء، عوراء، عجفاء، عرجاء، ہتماء، شکاء اور تولاء جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

عمیاء سے مراد بالکل اندھا، عوراء سے مراد ایک آنکھ کا اندھا، عجفاء سے مراد نہایت دبلا پتلا اور نحیف حتیٰ کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی باقی

نہ بچا ہو، عرجاء سے مراد ایسا لنگڑا جانور جو خود چل کر جائے تو منہ تک نہ جاسکتا ہو۔ ہتماء سے مراد ایسا جانور جس کے اکثر دانت گر چکے ہوں، شکاء سے مراد ایسا جانور جس کے بہ حسب خلقت کان نہ ہوں اور تولاء سے مراد ایسا جانور جو اس درجہ پاگل ہو کہ اس کا پاگل پن اس کے غذا کھانے میں مانع ہو۔

اسی طرح وہ جانور جس کے کان یا دم ایک تہائی سے زیادہ کٹی ہو، یا جس کی سینگ ایک تہائی سے زیادہ ٹوٹی ہوئی ہو۔ ایسے تمام جانوروں کا ذبیحہ درست نہیں ہے۔

عقیقہ کے لیے ایک جیسے جانوروں کا انتخاب:

لڑکے کے عقیقہ کے ذبیحہ کے لیے دو ایک جیسے جانوروں کا انتخاب بھی عقیقہ کے جانور کا ایک اضافی معیار ہے۔ جانوروں کے ایک جیسے ہونے سے مراد قد، جنس، اور عمر میں یکسانیت ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام کرز کعبیہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجارية شاة .)) (رواہ احمد و ترمذی عن عائشہ و کذا فی سنن أبي داود و سنن نسائي عن أم کرز الکعبیة بالأسانید الصحیحة)

”لڑکے کے دو ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی کے دو ایک بکری۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث میں مروی ہے:

”ان رسول الله ﷺ امرهم عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجارية شاة .“

(سنن نسائي و ترمذی وقال اسنادہ جید)

”رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے

دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔“

ایک اور حدیث میں ”شاتان مکافئتان“ کی جگہ ”شاتان مثلان“ کے ہم معنی الفاظ بھی ملتے ہیں:

”عن الغلام شاتان مثلان وعن الجارية

شاة .“ (سنن أبي داود وإسناده جيد)

”لڑکے کی طرف سے دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔“

ایک اور مقام پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”ما قال رسول الله ﷺ شاتان مكافئتان .“

(الطحاوی: ۱/ ۴۵۷)

”جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (وہ یہ ہے کہ) دو ایک جیسی بکریاں۔“

عقیقہ کے لیے بکرا بکری یا اس سے مشابہ جانور مثلاً بھیڑ یا مینڈھا اور دنبہ ہی ذبح کرنا چاہیے جیسا کہ اوپر بیان کی ہوئی تمام احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ جانوروں کے انتخاب میں ایک جیسے ہونے، جانوروں کی عمر ایک سال مکمل ہونے اور غالب جسمانی عیوب سے پاک ہونے کے علاوہ کوئی اور معیار نہیں ہے، مثلاً: رنگ اور وزن وغیرہ۔ جانوروں کا قدر، عمر اور جنس میں یکسانیت جانوروں کے ایک جیسا ہونے کے لیے کافی ہے۔ جنس سے مراد یہ ہے کہ اگر بکری سے عقیقہ کرنا ہے تو دونوں جانور بکریاں ہی ہوں۔ ایک بکری اور ایک بھیڑ نہ ہو۔ ذبیحہ کے جانوروں میں نرمادہ تمیز بھی نہیں کی جائے گی، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((عن الغلام شاتان وعن الانثى واحدة ولا

يضركم ذكرانا أو اناثا .)) (رواه أحمد وترمذي)

”لڑکے پر دو بکریاں ہیں اور لڑکی پر ایک، اور تم پر کوئی حرج

نہیں، خواہ جانور نر ہوں یا مادہ۔“

بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ لڑکے کے لیے نر جانور ذبح

کرنا چاہیے اور لڑکی کے لیے مادہ جانور۔^①
اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ بات محض لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیا عقیقہ پر گائے، بھینس اور اونٹ ذبح کرنا درست ہے؟

عقیقہ صرف بکری، مینڈھا اور دنبہ سے ہی کیا جانا چاہیے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ گائے، بھینس اور اونٹ ذبح کیے جانے کے متعلق کوئی صحیح اور قابل اعتماد حدیث موجود نہیں ہے، لہذا اس مسئلہ میں اکثر علمائے سلف وخلف، ائمہ حدیث اور مجتہدین کا مکمل اور فتویٰ یہی ہے کہ بھیڑ یا بکری کا یا دنبہ کے علاوہ کسی دوسرے جانور سے عقیقہ کرنا سنت مطہرہ سے ثابت اور صحیح نہیں ہے۔^②

عقیقہ میں اونٹ ذبح کرنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ملتی ہے جسے طبرانی نے (ص: ۲۷۸) پر روایت کیا ہے اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے انس بن مالک کے متعلق بیان کیا ہے۔ ”انھوں نے اپنے بچے کا عقیقہ اونٹ سے کیا تھا۔“^③ اسی طرح ابی بکرہ سے مروی ہے کہ ”انھوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے عقیقہ پر اونٹ ذبح کیا تھا اور اس سے اہل بصرہ کی دعوت کی تھی۔“

بعض علمائے خلف جو اونٹ، بھینس اور گائے کو عقیقہ پر ذبح کرنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیل طبرانی کی مذکورہ روایت اور بعض صحابہ کے عمل کے علاوہ امام بخاری اور ابن منذر کی وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مع الغلام عقیقة فاهريقوا عنه دما .))

”یعنی لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے لہذا اس کی طرف سے

خون بہاؤ۔“

چونکہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ”الدم“ کے بجائے لفظ ”دما“ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ حدیث کے ظواہر اور لفظ ”دما“ کے عموم سے مولود پر صرف بھیڑ بکری اور دنبہ کو خاص کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون ”اسلام اور حقوق اطفال“ قسط دوم۔ ماہنامہ میثاق لاہور، جلد: ۳، عدد: ۱، ص: ۷۲۔

② تربیۃ الاولاد فی الاسلام تالیف استاد عبد اللہ صاحب علوان: ۱/ ۹۸۔

③ تحفہ المولود فی احکام المولود، مصنفہ امام ابن قیم رحمہ اللہ۔

اللہ کی پناہ اس کے بجائے، جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
(یعنی) ایک جیسی دو بکریاں۔“
کیا جن جانوروں میں سات حصے قربانی ہو سکتی ہے، ان میں
سات حصے عقیقہ بھی ہو سکتے ہیں؟

جیسا کہ اوپر صحیح احادیث کی روشنی میں واضح اور ثابت کیا جا چکا
ہے کہ سوائے بکری، بھیڑ اور دنبہ کے کسی دوسرے جانور سے عقیقہ کرنا
سنت مطہرہ کے صریح خلاف ہے اور محدثین و مجتہدین اور علمائے سلف
و خلف کی ایک بڑی جماعت، گائے، بھینس اور اونٹ سے عقیقہ کرنا
درست نہیں سمجھتی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم
ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔ پس جن جانوروں سے
عقیقہ کرنا ہی درست نہیں، ان میں سات بچوں کا عقیقہ کرنا کیونکر
درست ہو سکتا ہے۔

حتیٰ کہ جو بعض علمائے خلف گائے، بھینس اور اونٹ سے عقیقہ کرنا
درست سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں اشتراک کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ
الاستاذ شیخ عبداللہ ناصح علوان فرماتے ہیں:

”عقیدہ میں اشتراک صحیح نہیں ہے، جس طرح کے سات
لوگ اونٹ میں اشتراک کرتے ہیں، کیونکہ اگر اس میں
اشتراک صحیح ہو تو بچہ پر سے ”اراقۃ الدم“ کا مقصد حاصل
نہیں ہوتا حالانکہ عقیقہ کا ذبیحہ مولود کی طرف سے فدیہ ہوتا
ہے۔ بھیڑ یا بکری کے بدلہ میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا
درست ہے، بہ شرط کہ یہ ذبیحہ ایک مولود کے لیے ایک جانور
کی صورت میں ہو۔“ (تربیۃ الاولاد فی الاسلام، الجزء الاول ص: ۹۸)
کیا عید الاضحیٰ کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ شامل کیا جاسکتا ہے؟

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے ایک جانور میں، جس
میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں پانچ حصے قربانی کے اور باقی دو حصے
ایک لڑکے کی طرف سے یا دو لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ کے شامل
کر دیتے ہیں اور ایک ہی جانور ذبح کر کے قربانی کے تمام شرکاء کی

اس لفظ کے عموم میں گائے، بھینس اور اونٹ بھی ذبح کرنے کی
اجازت اور گنجانے موجود ہے۔ لیکن گائے اور بھینس کے ذبیحہ کے لیے
شرط ہے کہ وہ دو سال کی عمر مکمل کر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکی
ہو۔ اسی طرح اونٹ پانچ سال کی عمر مکمل کر کے چھٹے سال میں داخل
ہو چکا ہو۔

طبرانی کی جس حدیث کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کے متعلق
محدثین و محققین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔
(ارواء الغلیل: ۳۹۳/۴) اسلاف میں سے بعض بزرگوں کا فعل عقیقہ
کے موقع پر اونٹ ذبح کرنا اگر واقعاً ثابت بھی ہو جائے تو بھی مقبول
اور مشہور احادیث کی موجودگی میں ان بزرگوں کا قول و فعل قابل قبول
اور حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس بات کے امکان کو بھی نظر انداز
نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان بزرگوں کو اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی
صحیح احادیث نہ پہنچی ہوں اور انھوں نے اجتہاد اُلیا کیا ہو۔

بعض احادیث میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ عقیقہ پر اونٹ
ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ ❶ صحابہ کرام اس عملی سنت رسول اور
ارشادات نبوی ﷺ کے سر موخلاف عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ
مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقیقہ پر اونٹ ذبح کیے جانے کے متعلق استفسار کیا گیا
تو آپ رضی اللہ عنہا نے نہایت فیصلہ کن انداز میں اس کی مخالفت فرمائی:

”نفس لعبد الرحمن بن ابی بکر غلام فقیل
لعائشۃ رضی اللہ عنہا یا ام المؤمنین عقی
عنہ جزورا، فقالت: معاذ اللہ ولكن ما قال
رسول اللہ ﷺ شاتان مکافتتان۔“

(طحاوی: ۴۵۷/۱۱ و اسنادہ حید)

”حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو لڑکا پیدا ہوا تو حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا گیا کہ اے ام المؤمنین!
اس کے عقیقہ پر اونٹ ذبح کیا جائے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

❶ مستدرک حاکم: ۴/۲۳۸، ۲۳۹، والطحاوی: ۴۵۷/۱۱۔

عقیقہ کے گوشت کی تقسیم اور استعمال:

عقیقہ کے گوشت کی تقسیم و استعمال کے متعلق جو ذبیحہ اخیہ کے احکام ہیں وہی ذبیحہ عقیقہ کے بھی ہیں، یعنی اس میں سے خود اہل خانہ کھائیں، صدقہ کریں، ہدیٰ اپنے اعزاء و اقرباء و اصدقاء کو دیں۔ اہل خانہ میں سے ماں، باپ، بہن بھائی، نانا، نانی خالہ، ماموں، چچا، تایا، دادا دادی اور پھوپھی وغیرہ اور ان کے اہل و عیال سبھی لوگ بلا استثناء عقیقہ کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں۔

بعض جہلاء نے مشہور کر رکھا ہے کہ بچہ کی ماں اور ماں کے خاندان والے مثلاً خالہ، ماموں، نانا اور نانی وغیرہ عقیقہ کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ یہ قطعاً درست نہیں ہے۔^①

اسی طرح صدقہ کے لیے بھی ایک تہائی یا دو تہائی یا نصف یا چوتھائی یا اور کسی خاص مقدار کی کوئی قید نہیں ہے۔ سید قاسم محمود صاحب عقیقہ کے گوشت کی تقسیم کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ”عقیقہ کے گوشت کا زیادہ حصہ فقیروں اور رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔“

(شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص: ۱۰۸۲)

اور جناب مفتی ماہنامہ اقرار ڈائجسٹ کراچی فرماتے ہیں: ”عقیقہ کے گوشت کا ایک تہائی حصہ مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے۔“

(جلد: ۱، شماره: ۷، ص: ۱۸۵)

اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ صدقہ جتنا زیادہ کیا جائے وہ باعث خیر و برکت و اجر ہے، لیکن ایک تہائی یا زیادہ تر حصہ فقراء و مساکین اور رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کو معیار بنالینا صحیح اور منصوص نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص عقیقہ کے گوشت سے اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی دعوت و ضیافت کا اہتمام کرے تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس دعوت کو شرعی اصطلاح میں ”طعام الخرس“ یا ”طعام العقیقہ“ کہتے ہیں۔ اپنی خوشی میں دائی یا دایہ (Midwife) کو شریک کرتے ہوئے

قربانی اور عقیقہ کے شرکاء کے عقیقوں میں سے ایک ساتھ سبک دوش ہو جاتے ہیں۔ ایسا کرنا بھی سنت رسول اللہ ﷺ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس کی حقیقت بھی اشتراک فی العقیقہ ہی کی ایک صورت ہے جس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔

کیا عقیقہ کے جانور کی قیمت کسی غریب محتاج یا رفاہ عامہ کے کاموں میں دینا درست ہے؟

عقیقہ کے جانور کی قیمت کسی غریب محتاج کی مدد پر یا بیمار کے علاج و نگرانی میں صرف کرنا یا اسے کسی اجتماعی و رفاہی کام میں خرچ کر دینا عقیقہ کے مقصد و احکام کے صریح خلاف ہے۔ ایسا کرنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ کے صحابہ و تابعین و اسلاف امت میں سے کسی ایک سے۔ علمائے فقہ و علم و اجتہاد بھی اس بات کو خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔ کسی قرض دار یا غریب محتاج کی مدد یا بیمار کا علاج یا اسی طرح قحط یا سیلاب یا زلزلہ یا طوفان یا فساد یا آتش زدہ لوگوں کی مدد یا دوسرے رفاہ عام کے کاموں پر مال خرچ کرنا کسی طرح بھی عقیقہ کا بدل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب عقیقہ کا جانور مولود کے نام پر ذبح کرنا اور عقیقہ کی دعا:

عقیقہ کا جانور مولود کے نام پر ذبح کرنا مستحب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذبحوا علی اسمہ فقولوا: باسم اللہ اللہم

لک والیک هذه عقیقہ فلان .))

(رواہ ابن المنذر و کذا فی حصن حصین للجزری)

” (مولود) کے نام پر ذبح کرو اور یہ دعا پڑھو: اللہم لک

والیک هذه عقیقہ فلان (فلاں کی جگہ مولود کا نام لیا

جائے۔“

اگر ذبح کرنے والا شخص عقیقہ کے متعلق صرف نیت کر لے اور

”بسم اللہ اللہ اکبر“ پڑھ کر ذبح کر ڈالے اور مولود کا نام نہ لے تو بھی عقیقہ ہو جائے گا۔

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون ”اسلام اور حقوق اطفال“ قسط دوم، ماہنامہ میثاق لاہور، جلد: ۳، عدد: ۱۰، ص: ۷۲۔

عقیقہ کا گوشت اسے دینا بھی درست ہے۔ لیکن یہ گوشت اس کی اجرت کے طور پر نہیں بلکہ بہ طور ہدیہ دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عقیقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح ہدایت فرمائی تھی:

((وزني شعر الحسين وتصدقني بوزنه فضة

واعطی القابلة رجل العقیقة .)) (رواہ البیہقی)

”حضرت حسین کے بالوں کو وزن کیا جائے، اس کے وزن کے مساوی چاندی صدقہ کی جائے گی اور دائی کو عقیقہ (کے

جانور کا) ایک پیڑ دیا جائے۔“

ایک اور روایت میں مروی ہے:

((ان ابعثوا الی القابلة منها برجل .)) الخ

(رواہ أبوداود فی المراسیل)

”اس میں سے ایک پیڑ دائی کو بھیج دو۔“

نوٹ: عقیقہ کے جانور کی کھال اجرت میں قصاب کو نہ دی جائے بلکہ اس کا صدقہ کر دینا بہتر ہے۔

عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنے کی کراہت:

مولود کے عقیقہ کے امور میں جن چند باتوں کی رعایت ضروری ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے اور کھانے کے وقت کے علاوہ جانور کی ہڈی میں سے کوئی چیز توڑی نہ جائے۔ ذبیحہ کو کاٹتے وقت ہر ہڈی کو جوڑ پر سے بغیر توڑے ہوئے علیحدہ کرنا مستحب ہے۔ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقوں کے موقع پر فرمایا:

((ان ابعثوا الی القابلة منها برجل وکلوا

وطعموا ولا تکسروا منها عظما .))

(أبوداود فی المراسیل)

”اس میں سے ایک پیڑ دائی کو بھیج دو، کھاؤ اور کھلاؤ مگر اس کی

کوئی ہڈی نہ توڑو۔“

ابن جریج نے عطاء سے روایت کی ہے کہ ایسا فرماتے تھے:

((نقطع جدولا ولا یکسر لها عظم .))

”اس کے اعضاء الگ الگ کاٹ لیکن اس کی ہڈی نہ توڑو۔“

ابن منذر نے بھی عطاء سے اور انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔ استاد شیخ عبداللہ صاحب علوان اس بات کی دو حکمتیں بیان کرتے ہیں:

اول یہ کہ اس سے فقراء و اقرباء کے درمیان ہدیہ و طعام کے شرف کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ کسی عضو میں سے کچھ توڑ اور کاٹ کر علیحدہ نہ کرنا بلکہ سالم عضو کسی کو ہدیہ میں پیش کرنا جو دوا کرام کی عظیم مثال ہے۔

دوم اس سے مولود کے اعضاء و قوت و صحت اور سلامتی کی نیک

خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ (ترویۃ الاولاد فی الاسلام: ۹۶/۱، ۹۷)

عقیقہ سے متعلق بعض مروجہ رسومات باطلہ:

ہندوستان و پاکستان میں عام طور پر غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں عقیقہ کو محض ایک رسم سمجھا جاتا ہے جو سراسر اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اس موقع پر بعض بری رسومات بھی دیکھنے میں آتی ہیں، مثلاً: ناچ، رنگ و ڈھول، گانے، باجے یا مجلس میلاد کا اہتمام، گھوڑے پر بچہ کو سوار کرنا کسی مسجد یا بزرگ کے مزار تک لے جانا بچے کے سر پر پھول و سہرا باندھنا، نظر بد سے بچانے کے لیے اس کے چہرے پر کالا ٹیکہ لگانا۔ منت کے طور پر لڑکے کے کان چھیدنا، سرخ و پیلے رنگ یا کالے و ہرے رنگ کا دھاگا گلے میں لٹکانا یا بازو اور کمر پر باندھنا، کوئی سکہ یا ہڈی کا ٹکڑا یا کانٹا یا لوہے یا چاندی یا سونے کا چاقو گلے میں لٹکانا، بچہ کے سر کے چاروں طرف روپیہ یا زیور کئی بار گھما کر اس کا صدقہ اور بلائیں اتارنا، بچہ کے بازو پر امام ضامن باندھنا، کمر میں پٹہ اور تلوار لٹکانا، آب زم زم پلانا، نیاز و فاتحہ کرنا اور اس کی شیرینی تقسیم کرنا، ماں باپ کا سچ سنور کر دو لہا دو لہن بننا، جانور ذبح کرنے کے بجائے چائے پارٹی کا اہتمام کرنا وغیرہ۔ سب غیر شرعی اور جاہلانہ رسوم و اختراعات ہیں۔ ان سے خود بچنا اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیے۔

عقیقہ کی تشریع کی اہمیت، حکمت اور فوائد:

۱: اسلام میں نومولود کے حقوق بھی اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں، ان

ہے۔ (تربیۃ الاولاد فی الاسلام، تالیف عبداللہ صاحب علوان، الجزء الاول)

۶: شرائع اسلام کی اقامت پر فرحت و مسرور ہونے کا اظہار ہے۔

۷: احیائے سنت رسول کے ساتھ خیر و برکت اور اجر عظیم کا باعث ہے۔

۸: مولود کی ولادت پر اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

۹: مولود پر والدین کی شفاعت کی ذمہ داری کا نعم البدل ہے۔

۱۰: مولود کی آمد کی خوشی میں دعوتِ طعام کے لیے جمع ہونے والوں

کے مابین عدل اجتماعی، الفت و محبت، اور معاشرہ کے اجتماعی

روابط کا قائم و مکمل اور مستحکم ہونا۔

۱۱: طعامِ عقیقہ پر جمع ہونے والوں کی طرف سے مولود کے لیے صحت

و عافیت کی دعا۔

۱۲: معاشرہ کے پس ماندہ غریب، فاقہ زدہ اور محروم طبقہ کی مدد ہونا وغیرہ۔

ان سب خصوصیات کے باعث عقیقہ اجتماعیت اور شریعت کی ایک

اہم اساس اور ضرورت بن جاتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین .

والصلاة والسلام على نبی المرسلین ومن

اتباعه باحسان الی یوم الدین .



رشتوں کا بندھن اخلاص کے ساتھ

35 سالہ مغل فسٹ میرج B.com گرافک ڈیزائنر۔ 24 سالہ

گجر F.A لڑکا۔ 30 سالہ F.A لڑکا راجپوت اوکاڑہ۔ 30 سالہ سید

لڑکا منڈی بہاؤ الدین۔ 20 سالہ لڑکا خان فیملی۔ 27 سالہ B.com

لڑکا مغل۔ 30 سالہ راجپوت B.A ایئر پورٹ گورنمنٹ جاب (نظر

سٹاپ)۔ 30 سالہ ایم۔ اے، B.A سینڈ میرج 25 سالہ، 25 سالہ

ایم۔ اے راجپوت۔ B.A سید بچی 24 سالہ۔ 36 سالہ سینڈ میرج

مغل۔ 24 سالہ مغل لڑکی B.A۔ شیخ 16 سالہ لڑکی۔

ملك فخر

0300-0332-4466705 / 0321-7290929

حقوق میں عقیقہ بھی شامل ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم

الحروف کا مضمون ”اسلام اور حقوقِ اطفال“ طبع شدہ بالاقساط

عزیدہ: ماہنامہ میثاق لاہور)

۲: بعض روایات میں ہے کہ جب تک (مولود کا) عقیقہ نہ کیا جائے

برکت و سعادت میں سے اسے بہت کم حصہ ملتا ہے۔ (شاہکار

اسلامی انسائیکلو پیڈیا، مرتبہ سید قاسم محمود، ص: ۱۰۸۲)

۳: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عقیقہ کی اہمیت و حکمت بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”هذا في الشفاعة يريد إنه إذا لم يعق عنه

فمات طفلا لم يشفع في الولايه .“

(فتح الباري)

”عقیقہ کا تعلق شفاعت سے ہے۔ اگر مولود بچپن میں مر گیا

اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں

کرے گا۔“

۴: صحیح بخاری کی سلمان بن عامر الضمی والی حدیث کی رو سے عقیقہ

کرنے سے بچہ کی اذیت دور ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری)

۵: عقیقہ مولود کی طرف سے مصائب و آفات سے محفوظ رہنے کا فدیہ

معلومات داخلہ برائے سعودی یونیورسٹی

وہ حضرات جنہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس

کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیۃ کی سند حاصل کی ہو

اور ان کی عمر ۲۳ سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی

اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر ۳۰ سال سے زائد نہ ہو۔

دابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی

پی ایچ ڈی) سابق مترجم مولجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ،

چیئر مین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔

رابطہ، فون نمبر: 0306-4476055

فضائل ابي حنیفہ و اخبارہ و مناقبہ

لابن ابي العوام

پرايک نظر

مولانا ارشاد الحق اثری

تدوین فقہ کی مجلس:

امام ابو حنیفہ کے فقہی فیصلوں کی ترجیح میں یہ بات عموماً کہی گئی ہے کہ مختلف مسائل چالیس حضرات کی مجلس میں پیش ہوتے، بحث و تحقیق کے بعد جو فیصلہ ہوتا اسے لکھ لیا جاتا۔ یوں ان فیصلوں کی تدوین تیس برس ہوتی ہے۔ امام صاحب کے سیرت نگاروں نے اور ان کے مناقب لکھنے والوں نے اسے بڑھا چڑھا کر لکھا حتیٰ کہ یہ بھی فرمایا گیا کہ باقی فقہائے کرام کی فقہ شخصی نوعیت کی ہے جب کہ امام صاحب کی فقہ اجتماعی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فقہی مجلس کا ذکر ابن ابی عوام نے بھی کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان چالیس میں سے دس افراد متقدمین میں یہ ہیں:

ابو یوسف، زفر، داود طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔

اور یحییٰ بن زکریا کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

”وهو الذي كان يكتبها لهم ثلاثين سنة.“

(فضائل، ص: ۳۴۲، رقم: ۸۰۶)

”وہی تیس سال تک ان کے کاتب رہے۔“

ہم یہاں اس بحث میں الجھنا مناسب نہیں سمجھتے کہ یحییٰ بن زکریا اس فقہی مجلس کی زینت بنے بھی ہیں یا نہیں اور ان کا فقہی موقف کیا تھا۔ ہم یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ (تہذیب،

۲۰۹/۱۱، تہذیب للمزی: ۲۰/۸۱ وغیرہ)

تقریب (ص: ۱۰۵۴) میں بھی حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں:

”مات سنة ثلاث أو أربع وثمانين ومائة وله

ثلاث وستون سنة.“

تقریب کے بعض نسخوں میں ”ستون“ کی بجائے ”تسعون“ ہے جو غلط ہے کیونکہ تہذیب وغیرہ میں ”ثلاثا وستين سنة“ ہے۔ شیخ ابوالاشبال صغیر احمد شاغف رحمہ اللہ نے بھی تقریب کے بعض نسخوں میں اس غلطی کا اشارہ کیا ہے۔ بلکہ یحییٰ بن زکریا کی تاریخ وفات خود ابن ابی العوام نے ۱۸۳ھ ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ (فضائل، ص: ۳۴۶، رقم: ۸۲۴)

اس حساب سے یحییٰ بن زکریا کی پیدائش ۱۲۰ یا ۱۲۱ھ بنتی ہے۔ امام صاحب ۱۵۰ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے اور یہ فقہی کمیٹی بھی اپنے اختتام کو پہنچی۔ ۱۲۰ھ سے ۱۵۰ھ تک تیس سال کا عرصہ ہے۔ حماد بن ابی سلیمان امام صاحب کے استاد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد ہی امام صاحب ان کے مسند نشین بنے اس کمیٹی کا آغاز ۱۲۰ھ ہی سے تسلیم کیا جائے تو یہی سال یحییٰ بن زکریا کی پیدائش کا ہے۔ دو سال تو ان کے شیر خواری کے ہیں، پھر صغریٰ کا دور ہے پھر تعلیم کا آغاز ہے۔ اہل کوفہ کے بارے میں معروف یہ ہے کہ وہ بیس سال ہونے پر اولاد کو طلب حدیث کی اجازت دیتے تھے۔ (تدریب الراوی: ۵/۲)

مجالد بن سعید کوئی جو ۱۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب: ۱۱۰/۴۰) وہ یحییٰ بن زکریا کے استاد ہیں۔ بلکہ لکھا ہے کہ یحییٰ کے والد زکریا اپنے بیٹے کو مجالد کی مجلس میں لے گئے اور کہا:

”یا بني! احفظ.“ (تاریخ بغداد: ۱۷۷/۱۴)

”بیٹے! ان سے علم یاد کرو۔“

ہی محسوس نہیں ہوتی۔ بالکل یہی صورت حال یہاں ہے۔
مجلس تدوین فقہ میں مزید کہاں کہاں گھسلا ہے اور کس قدر اس میں
رنگ آمیزی کی گئی ہے یہ سب ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم
نے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ابن ابی العوام کا بیان کہاں تک
صداقت پر مبنی ہے۔ وہ خود بخوبی بن زکریا کی پیدائش ۱۲۰ھ بتاتے ہیں تو
پھر عشرہ متقدمین میں وہ کیسے شمار ہوئے؟ اور تیس سال تک علم کا ماہر
ہونے کے ناتے کیسے مجلس فقہ کے کاتب بنے؟ فاعتبروا یا اولی
الابصار!

ایک عجیب کہانی:

امام سفیان ثوری سے مختلف صحیح اسانید سے منقول ہے کہ انھوں
نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے دوسرے توبہ کروائی گئی:
”استیب ابوحنیفہ مرتین۔“

اور اس بات کی بھی صراحت ہے کہ امام ابوحنیفہ قرآن کو مخلوق
کہتے تھے۔ اسی مسئلے میں ان سے دوبار توبہ کروائی گئی بالآخر وہ اس
بات کے قائل ہو گئے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ اس
تفصیل کا یہ محل نہیں نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ ہم یہاں یہ عرض کرنا
چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے اس حوالے سے جو کہانی قلم بند کی
ہے وہ نہایت عجیب ہے۔

چنانچہ وہ البوطن عمرو بن یثیم سے ذکر کرتے ہیں کہ میں نے امام
سفیان ثوری سے کہا کہ آپ سے منقول ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ
ابوحنیفہ کی کفر سے دوبار توبہ کروائی گئی ہے۔ کیا اس سے وہی کفر مراد
ہے جو اسلام کے منافی ہے؟ امام سفیان نے فرمایا: جب سے میں نے
یہ بات کہی ہے مجھ سے تمہارے علاوہ اور کسی نے اس بارے میں نہیں
پوچھا۔ پھر انھوں نے سر جھکایا پھر فرمایا: نہیں، یعنی کفر سے مراد ایسا کفر
نہیں جو اسلام کے منافی ہے، بلکہ واصل الشاری جب کوفہ آیا تو ایک
جماعت نے اس سے کہا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو اہل معاصی کو کافر
نہیں کہتا اور وہ ابوحنیفہ ہیں۔ اس نے امام ابوحنیفہ کو طلب کیا وہ
تشریف لے گئے تو اس نے کہا: اے شیخ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ

یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ بخاری بن زکریا کم سے کم دس پندرہ سال
کے ہونے کے بعد ہی طلب حدیث میں مشغول ہوئے ہوں گے اور
وہ بھی مجاہد کی مجلس میں، اس لیے بخاری بن زکریا کا طلب حدیث کے
لیے گھر سے نکلنا دس سال کا بھی تسلیم کیا جائے تو حصول علم کے بعد وہ
جب بھی امام صاحب کی مجلس میں پہنچے ہوں گے۔ تب سے تیس سال
کے عرصہ تک ”مجلس فقہاء“ کے فتویٰ کو لکھنے کی بات نہایت مہمل اور
خلاف حقیقت ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب کے
مناقب میں قرناً بعد قرن یہ بے بنیاد بات مسلسل لکھی جا رہی ہے بلکہ
دوسرے ائمہ کے اقوال کے تقابلیں میں ترجیحی طور پر اسے بڑے فخر سے
بیان کیا جاتا ہے۔ اور کوئی ”رجل رشید“ نہیں جو یہ سوچنے کی زحمت
اٹھائے کہ بخاری بن زکریا تیس سال تک کیسے فقہی فتاویٰ کو درج کرتے
رہے۔ جب کہ ان کی پیدائش ہی ۱۲۰ یا ۱۲۱ھ میں ہے۔

گل دیگر شگفت:

اس سے بھی حیرت ناک بات یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے اسی
فہرست میں امام محمد کا نام بھی لکھا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:
”فکان فی العشرۃ المتقدمین أبو یوسف
وزفر و محمد و داود الطائی۔“ الخ

(فوائد البہیہ، ص: ۲۲۴)
”عشرہ متقدمین میں ابو یوسف، زفر، محمد، داود طائی ہیں۔“
جب کہ محمد بن حسن کی تاریخ پیدائش ابن عبد البر نے الانتقاء
(ص: ۳۳۷) اور ابن خلکان نے ”وفیات الاعیان“ میں ۱۳۵ھ بتلائی
ہے۔ جب کہ ابن سعد نے ۱۳۲ھ ذکر کی ہے اور یہی تاریخ ابن ابی
العوام نے فضائل (ص: ۳۶۸) میں اور حافظ ذہبی نے مناقب
(ص: ۵۰) میں نقل کی ہے۔ اس لیے ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہی
تسلیم کی جائے تو امام صاحب جو ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی
وفات پر امام محمد کی عمر ۱۸، ۱۹ سال بنتی ہے۔ بتلائیے وہ عشرہ متقدمین
میں اپنی ولادت سے پہلے کیسے شمار ہوئے؟ مگر جب عقیدت کا غلبہ ہو تو
حقیقت پر پردہ کی دیز تہ جم جاتی ہے۔ سوچنے اور غور و فکر کی ضرورت

(ص: ۹۷) میں نقل کی ہے اور کہا ہے:

”وذلك ما حدثه ابن ابي العوام عن الحسن بن حماد سجادة.“

پھر اس کہانی کے اختتام پر فرمایا ہے:

”وفي ذلك القول الفصل لأن أبا القاسم بن أبي العوام الحافظ صاحب النسائي وسجادة وأبو قطن كلهم من الثقات الأثبات.“ (تأنيب، ص: ۹۸)

حالانکہ ابن ابی العوام کو ”الحافظ“ سے ملقب کرنا ایجاد بندہ ہے۔ پھر محض کسی کا حافظ ہونا اس کی توثیق کو مستلزم نہیں، سلیمان شاذکونی، محمد بن یونس کرمی، احمد بن محمد ابوبشر مروزی مشہور حفاظ ہیں مگر کذاب و وضاع بھی ہیں۔

مزید یہ کہ ابن ابی العوام نے براہ راست اس کا سماع الحسن بن حماد سجادة سے نہیں کیا جیسا کہ علامہ کوثری بڑی دلیری سے فرما رہے ہیں بلکہ ان کے الفاظ ہیں:

”وجدت في كتابي من حديث الحسن بن حماد سجادة وقد حدثت به عنه.“

(فضائل، ص: ۷۴)

”میں نے اپنی کتاب میں حسن بن حماد سجادة کی حدیث پائی جو مجھے ان سے بیان کی گئی۔“

غور فرمائیے علامہ کوثری نے اسے متصل بنانے کے لیے ہاتھ کی صفائی کیسے دکھائی ہے۔ بلکہ علامہ معلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی العوام نے تو سجادة کا زمانہ ہی نہیں پایا کیونکہ سجادة ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے تھے اور امام نسائی ان سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔

(التنكيل: ۲۵۸/۱)

حسن بن حماد جو ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے اور امام نسائی، جو ابن ابی العوام کے استاد ہیں، ان سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب: ۲۷۲/۲) تو ان سے ابن ابی العوام جو ۳۳۵ھ میں

اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے؟ امام صاحب نے فرمایا: میرا یہی مذہب ہے کہ میں اہل معاصی کو کافر نہیں کہتا، واصل نے کہا: یہ کفر ہے اگر توبہ کر لو تو ہم توبہ قبول کریں گے اور توبہ نہ کر تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کس بات سے توبہ کروں؟ اس نے کہا اس (موقف) سے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

پھر اسے پتا چلا کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے امام صاحب سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے اور تم اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا: میرا یہی مذہب ہے۔ اس نے کہا ہمارے نزدیک یہ کفر ہے۔ اگر تم اس سے توبہ کر لو تو فہما ور نہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کس سے توبہ کروں؟ اس نے کہا کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

امام سفیان ثوری نے فرمایا: یہ وہ کفر ہے جس سے توبہ کرائی گئی تھی۔ (فضائل، ص: ۷۴، ۷۵، رقم: ۷۴)

امام سفیان سے سے مختلف اسانید سے جس توبہ کا ذکر کتاب السنۃ، تاریخ بغداد، تاریخ الکبیر، الامام البخاری، المعرفۃ للفسوی، تاریخ ابی زرعة، الابانۃ للامام الاشعری، المجرحین اور الانشاء میں مذکور ہے بلکہ ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ امام زکریا بن یحییٰ الساجی نے علل الحدیث میں ایک باب اسی عنوان پر قائم کیا ہے:

”أنه استتيب من خلق القرآن فتاب.“

اس کے برعکس ابن ابی العوام نے جو کہانی امام سفیان کی زبانی نقل کی ہے وہ قابل التفات نہیں۔ اس لیے کہ اولاً ابن ابی العوام ہی کا قابل اعتبار ہونا ثابت نہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

ثانیاً: اس نے یہ کہانی حسن بن حماد سجادة سے براہ راست نہیں سنی بلکہ یہ کہا ہے: ”حدثت به عنه“ اب حسن بن حماد سجادة سے ابن ابی العوام کو بیان کرنے والا کون ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مبہم و مجہول ہے۔ علامہ کوثری کی کارستانی:

علامہ کوثری نے ابن ابی العوام سے یہی کہانی تانیب الخطیب

فوت ہوئے براہ راست روایت کیوں کر سکتے ہیں؟ اس حقیقت کے برعکس اندازہ کیجیے علامہ کوثری نے اسے متصل بنانے میں کیسی ہوشیاری دکھائی ہے۔

ایک اور ہوشیاری:

اسی ضمن میں یہ بھی دیکھیے کہ علامہ کوثری نے اسی بحث کے دوران میں لکھا ہے:

”ثم روى ابن عبد البر بسنده عن عبد الله بن داود الخريبي الحافظ تكذيب استابته مطلقاً.“ (تأنيب، ص: ۹۶)

”ابن عبد البر نے اپنی سند سے حافظ عبد اللہ بن داود الخریبی سے توبہ کروانے کی بات کی مطلقاً تکذیب کی ہے۔“

حالانکہ علامہ کوثری کو خوب معلوم ہے کہ علامہ ابن عبد البر نے الاتفاق (ص: ۲۸۷) میں یہ قول محمد بن یونس کرمی کے واسطے سے ذکر کیا ہے اور خود علامہ کوثری نے ایک قول پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے:

”محمد بن يونس وهو الكريمي متكلم فيه راجع ميزان الاعتدال.“ (تأنيب، ص: ۸۹)

”سند میں محمد بن یونس ہے اور وہ کرمی ہے۔ جس میں کلام کیا گیا ہے میزان الاعتدال کی مراجعت کیجیے۔“

ہم نے ان کے مشورہ پر میزان (۷/۴۷) میں اس کا ترجمہ دیکھا ہے، اسے امام ابوداؤد، موسیٰ بن ہارون، قاسم بن زکریا المطرز نے کذاب کہا ہے اور ابن عدی، ابن حبان اور دارقطنی نے وضاع کہا ہے حتیٰ کہ ابن حبان نے کہا ہے کہ اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث گھڑ لی ہیں۔ بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے مگر وہ اس قابل نہیں کہ اسے قابل اعتبار سمجھا جائے۔ کرمی پر تفصیلی جرح ہمارا موضوع نہیں ہم نے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جسے خود علامہ کوثری متکلم فیہ قرار دیتے ہیں اسی کے واسطے سے بیان کی ہوئی حکایت کو یہ کہہ کر عافیت سے گزر جاتے ہیں کہ علامہ ابن عبد البر نے اسے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ مجال ہے کہ اس میں محمد بن یونس کرمی نظر آئے۔ جس سے

قارئین کرام ان کی بے اعتدالیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہاں یہ لطفہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ابن ابی العوام نے اسی توبہ کے حوالے سے مزید حکایات بھی اس کی نفی کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ جنہیں انھوں نے ”فسی التشنيع عليه واذيته رحمه الله“ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ شیخ لطیف الرحمان فرماتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے امام صاحب کے مناقب میں ”ابن ابی العوام کی روایات سے تعرض کیا ہے مگر اس فصل کی روایات ذکر نہیں کیں۔“

قابل غور بات یہی ہے کہ ابن ابی العوام کی ان روایات سے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آخر تعرض کیوں نہیں کیا؟ جب کہ انھوں نے اس سے اور دیگر کتب سے محمد بن شجاع ثعلبی، حسن بن زیاد، لؤلؤی، ابو عصمتہ نوح الجامع، یحییٰ حماني، اسماعیل بن حماد، احمد بن محمد بن مفضل، یوسف بن خالد سستی وغیرہ جیسے کذابین ضعفاء اور مجاہیل کی روایات سے مناقب تو ذکر کیے ہیں مگر اس فصل کا کوئی قول ذکر کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا، آخر کیوں؟

امام ابو حنیفہ اور ان کی رائے:

ابن ابی عوام نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”عجبا للناس يقولون اني افتى بالرأى، ما افتى الا بالاثار.“ (فضائل، ص: ۱۸۹، رقم: ۳۵۶) ”لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں میں رائے پر فتویٰ دیتا ہوں، حالانکہ میں صرف ”اثار“ کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔“ بڑی اچھی بات تھی اگر یہ امام صاحب سے ثابت ہوتی۔ ابن ابی العوام کے علاوہ امام صاحب کے اس قول کا ناقل نعیم بن عمرو القندی ہے جو مجہول ہے۔ (میزان: ۱/۴، ۲۷۰، الجرح والتعديل: ۱/۸، ۴۶۳، المغنی: ۲/۷۰۱، دیوان، ص: ۳۱۹ وغیرہ) بلکہ یہ قول خود امام صاحب کے اس فرمان کے بھی خلاف ہے جو انھوں نے قاضی ابو یوسف سے فرمایا تھا:

”ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمع مني، فاني قد أرى الرأي اليوم واتركه غدا“

وَأَرَى الرأى غداً، وَاَتَرَكه بعد غدا .“ (التاريخ

يحيى بن معين: ۶۰۷/۲ رقم النص: ۲۴۶۱)

”اے یعقوب! تم پر رحم ہو، ہر بات مجھ سے سنتے ہو نہ لکھا کرو، میں آج ایک رائے رکھتا ہوں اسے کل چھوڑ دیتا ہوں، ایک رائے کل اختیار کرتا ہوں تو اگلے روز اسے چھوڑ دیتا ہوں۔“

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ، جن سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں، فرماتے ہیں:

”أبو حنيفة يضع المسألة خطأ ثم يقيس الكتاب كله عليه .“

”ابوحنیفہ ایک غلط مسئلے کو بنیاد بناتے ہیں پھر اس پر پوری کتاب (میں) قیاس کرتے ہیں۔“

اس کے جواب میں علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ

”بل نعرف بأن المجتهد قد يخطئ في التفسير ، ولأبي حنيفة بعض أبواب في الفقه من هذا القبيل ففي كتاب الوقف أخذ بقول شريح القاضي وجعله أصلاً ففرع عليه المسائل فأصبحت فروع هذا الكتاب غير مقبولة حتى ردها صاحبها ، هكذا فعل في كتاب المزارعة حيث أخذ بقول إبراهيم النخعي وجعله أصلاً ففرع عليه الفروع .“

(تأنيب الخطيب، ص: ۲۰۳)

”بلکہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مجتہد مسئلے کی فروع میں غلطی کر جاتا ہے۔ ابوحنیفہ کے بعض فقہی ابواب اسی نوعیت کے ہیں چنانچہ کتاب الوقف میں قاضی شریح کے قول کو لیا اسے اصل بنایا پھر اس پر مسائل کے جزئیات کا فیصلہ کیا۔ یوں اس کتاب کی تفریعات غیر مقبول ٹھہریں حتیٰ کہ ان کے دونوں شاگردوں نے بھی اس کو رد کر دیا۔ اسی طرح کتاب

المزاعع میں ابراہیم نخعی کے قول کو اصل بنایا اس پر تفریعات کی بنیاد رکھی۔“

گویا علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ کتاب الوقف اور کتاب المزاعع سے متعلقہ امام ابوحنیفہ کے بیان کردہ مسائل درست نہیں ہیں۔ ”اثر“ کی اتباع کہاں ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وقف کے بارے میں موقف ہے کہ اسے فروخت کرنا جائز ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے اپنے وقف کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو اصل کو قبضہ میں رکھو اور اس کی منفعت صدقہ کر دو، یا اصل کو ہی صدقہ کر دو۔

”لا يبيع ولا يوهب ولا يورث .“

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۲۷۶۴، ۲۷۷۲)

”نہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے نہ وراثت میں تقسیم کیا جائے۔“

قاضی ابویوسف کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ابن عون سے یہ حدیث کس نے سنی ہے؟ تو انھیں اسماعیل بن علیہ نے یہ روایت بیان کی۔ قاضی ابویوسف نے کہا: کسی کو اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں:

”ولو بلغ أبا حنيفة لقال به ، فرجع عن بيع

الوقف حتى صار كأنه لا خلاف فيه بين

أحد .“ (فتح الباري: ۴۰۳/۵)

’اگر ابوحنیفہ کو یہ حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق موقف

اختیار کرتے، بیع وقف سے رجوع کر لیتے یہاں تک کہ گویا

اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔“

بلکہ ابن ابی العوام نے بھی امام طحاوی سے یہی بات معمولی اختلاف الفاظ سے فضائل (ص: ۳۲۷، رقم: ۷۵۵) میں بیان کی ہے۔ غور فرمائیے کہ ”اثر“ پر فتویٰ کیا ہے؟

یہی نہیں علامہ سرخسی نے تو امام ابوحنیفہ کے مقابلے میں قاضی ابویوسف، امام محمد اور دیگر فقہاء کے استدلال کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

”وجحتهم في ذلك الآثار المشهورة عن

رسول اللہ ﷺ وعن الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين منهم عمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير وعائشة وحفصة رضي الله عنهم فإنهم باسروا الوقف وهو باق إلى يومنا هذا وكذلك وقف إبراهيم الخليل صلوات الله وسلامه عليه باق إلى يومنا هذا، وقد أمرنا باتباعه. " إلخ

(المبسوط: ۲۸ / ۱۲)

”اور ان کی اس بارے میں دلیل رسول اللہ ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی مشہور آثار ہیں۔ ان صحابہ میں حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عائشہ، حفصہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ انھوں نے وقف چھوڑے جو آج ہمارے ایام تک باقی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اوقاف ہمارے ایام تک باقی ہیں اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔“

یہ ”آثار مشہورہ“ تو امام صاحب کے خلاف ہیں۔ امام صاحب نے کس ”اثر“ پر فتویٰ دیا ہے؟

بلکہ امام محمد کی اس بارے میں اپنے شیخ محترم سے خفگی علامہ سرحدی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

”وقد استبعد محمد رحمه الله قول أبي حنيفة في الكتاب لهذا وسماه تحكما على الناس من غير حجة، فقال: ما أخذ الناس بقول أبي حنيفة وأصحابه إلا بتركهم التحكم على الناس فإذا كانوا هم الذين يتحكمون على الناس بغير اثر ولا قياس لم يقلدوا هذه الاشياء ولو جاز التقليد كان من مضى من قبل أبي حنيفة مثل الحسن البصري وإبراهيم النخعي رحمهما أحرى ان يقلدوا.“ (المبسوط: ۲۸ / ۱۲)

”اور بے شک امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب میں اسی لیے امام ابوحنیفہ کا یہ قول بڑا بعید قرار دیا ہے اور اسے لوگوں پر دلیل کے بغیر تحکم قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ لوگ ان کا اور ان کے اصحاب کا قول اس لیے لیتے ہیں کہ وہ تحکم نہیں کرتے، اگر بلا دلیل اور بغیر قیاس وہی تحکم کرنے لگیں تو ان باتوں میں کوئی بھی ان کی تقلید نہ کرتا۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو امام ابوحنیفہ سے پہلے جو ہو گزرے ہیں مثلاً: امام حسن بصری اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ وہ زیادہ لائق ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔“

یہاں تو اس مسئلے میں امام محمد نے امام صاحب کے موقف کو ”بلا اثر“ اور تحکم قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ابن ابی العوام نے ایک مجہول سند سے امام صاحب کا جو قول نقل کیا ہے وہ امر واقع کے بھی خلاف ہے۔ امام صاحب کا ”صاحب الرأی“ ہونا ایسی معلوم و معروف حقیقت ہے کہ علامہ سمعانی نے الانساب میں ”الرأی“ کی نسبت سے امام صاحب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

”صاحب الرأی وامام اصحاب الرأی وفقه اهل العراق.“ (الإنسان: ۳۷ / ۳)

”آپ صاحب رائے ہیں اصحاب الرائے کے امام ہیں اور اہل عراق کے فقیہ ہیں۔“

امام حجتی بن معین فرماتے ہیں:

”أبو حنيفة صاحب الرأى.“

(التاريخ برواية الدوري: ۶۰۷ / ۲)

یہ اور اسی نوعیت کی متعدد نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ امام صاحب کو صاحب الرائے کہا جاتا تھا۔

بلکہ قاضی ابویوسف کے لیے امام صاحب کا اپنا فرمان ہی اس کے ثبوت کی دلیل ہے کہ آئے دن موقف میں تبدیلی رائے و قیاس کا نتیجہ ہے ”اثر“ کا نہیں۔ اگر یہ تبدیلی ”اثر“ کی بنیاد پر ہوتی تھی تو اس کے لکھنے کی ممانعت میں کوئی معقولیت نہیں۔ امام ابوحنیفہ سے ابن ابی العوام نے یہ بھی ذکر کیا کہ انھوں نے فرمایا:

الاعتصام دوسروں تک بھی پہنچائیں

الحمد للہ مفت روزہ الاعتصام لاہور، اپنے سفر کی 65 ویں منزل میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے مضامین تحقیقی، علمی و فقہی ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر القرآن، درس حدیث، علوم و معارف کے علاوہ بین الاقوامی اور ملکی سیاسی، سماجی مسائل پر بھی ہوتے ہیں۔ الاعتصام جہاں جہاں پہنچ رہا ہے اللہ کے فضل و کرم سے اس کے مضامین کو لوگ ذوق شوق سے خود بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی یقیناً پڑھاتے ہوں گے۔ ہم قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ الاعتصام کی توسیع اشاعت کے لیے تھوڑی تھوڑی کوشش کر کے اپنے دوستوں، اہل علم حضرات و خواتین، مساجد و مدارس کے منتظمین وغیرہم کو ترغیب دلائیں اور اسے جاری کروائیں۔

سالانہ زرتعاون مبلغ پانچ سو روپے ہے۔ ششماہی تین سو روپے ہے۔ بذریعہ منی آرڈر یا یہ ذریعہ چیک (بغیر کراس) یہ رقم ارسال کی جاسکتی ہے۔ سال میں پچاس شمارے ہوتے ہیں اور سال کے بعد ایک پوری کتاب بن جاتی ہے۔ خطباء حضرات کے لیے ”الاعتصام“ بڑا مدد و معاون ہوتا ہے۔ کئی خطیب حضرات اس کے مضامین سے استفادے کے بعد خطبات جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہیں۔ نیز کتاب و سنت کی صحیح راہنمائی کے لیے بھی اس کا مطالعہ بڑا مفید ہے۔ قارئین کوشش فرمائیں اور نئے دوستوں کے نام جاری کروائیں۔ امید ہے آپ سب حضرات ادارے کے ساتھ تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ جزاءم اللہ جراً (ناظم دفتر ہفت روزہ الاعتصام، ۳۱۔ شیش محل روڈ، لاہور ۵۴۰۰۰)

”هذا الذي نحن فيه رأى لا نجبر احدا عليه ولا نقول يجب على أحد قبوله، فمن كان عنده أحسن منه فليأت به.“

(فضائل، ص: ۱۰۱، رقم: ۱۴۸)

”یہ ہماری رائے ہے ہم اس کو منانے کے لیے کسی پر جبر نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اسے قبول کرنا واجب ہے، جس کے پاس اس سے بہتر (رائے) ہو وہ اسے پیش کرے۔“

یہی قول معمولی اختلاف الفاظ سے خطیب بغدادی نے تاریخ (۳۵۲/۱۳) میں اور علامہ ابن عبد البر نے الانقاء (ص: ۲۵۸، ۲۵۷) میں ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کا یہ قول بھی ان کی رائے کے حوالے ہی سے ہے ”اثر“ کے تناظر میں نہیں کیونکہ ”اثر“ سے بہتر اور کیا ہے جس کے پیش کرنے کا وہ حکم فرماتے ہیں۔ اس سے بھی ابن ابی العوام کے بیان کیے ہوئے مذکور الصدر قول کی حیثیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہم اعلان

اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فورکلر خوب صورت اور مدلل سات اشتہار کا درج ذیل سیٹ مفت زیر تقسیم ہے:

رابطہ بذریعہ فون

صبح 7 بجے سے

10 بجے تک

①..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں!

②..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت!

③..... نماز، روزہ کے محمدی دائمی اوقات! ④..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام! ⑤..... سورۃ فاتحہ خلف الامام!

⑥..... نبی ﷺ سے آمین بالجہر کا ثبوت! ⑦..... اثبات رفع الیدین!

ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات مکمل سیٹ مفت منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے زیر انتظام مساجد و دینی مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔
یہ اشتہارات مساجد و مراکز کی زینت اور مسائل حقہ کی ترویج کا بہترین و موثر ذریعہ ہیں۔ ڈاک خرچ ادارہ خود برداشت کرے گا۔

(مولانا) محمد سلیمین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان موبائل: 0333-8556473

کیا نواب محمد صدیق حسن رحمہ اللہ کی بیگم پردہ نہیں کرتی تھیں؟

محمد اشرف جاوید بن محمد صدیق، فیصل آباد

بیگم سلطان جہاں بیگم باپردہ خاتون تھیں۔

(کیا قافلہ جاتا ہے، از نصر اللہ خاں، ص: ۱۱۸)

بیگم صاحبہ کیونکہ ریاست بھوپال کی رئیسہ تھیں ان کو حکومتی امور میں وائسرائے اور دیگر حکمرانوں سے ملنا ہوتا تھا مگر پھر بھی وہ باپردہ سفر کرتی تھیں جیسا کہ لکھا ہے:

رئیسہ بھوپال نے پردہ اور برقع کے ساتھ چار وائسرائے ہند سے کلکتہ اور دہلی میں ملاقات کی۔ یکم جنوری ۱۸۷۶ء کو دارالسلطنت کلکتہ میں پرنس آف ویلز ولی عہد سلطنت انگلستان کی آمد کے سلسلے میں ایک شاندار جشن منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے تمام والیان ریاست اور راجگان نے شرکت کی۔ اس دربار میں شرکت کرنے کی غرض سے نواب شاہ جہاں بیگم کے ساتھ نواب صدیق حسن خاں بھی تشریف لے گئے۔ دیگر اخوان و ارکان ریاست بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر میں نواب صدیق حسن خاں کی ملاقات ملک کے سربراہ و درہ شخصیتوں، انگریزی حکام اور پرنس آف ویلز سے ہوئی۔ کلکتہ دربار سے یہ قافلہ بنارس اور کانپور میں قیام کرتا ہوا ۱۱ محرم ۱۲۹۳ھ کو بھوپال پہنچا۔

اس سفر میں جب نواب شاہ جہاں بیگم ہوڑہ اسٹیشن پر پہنچیں تو برقع زیب تن کیے ہوئے تھیں اور اسی طرح دربار میں شرکت کی۔ پرنس آف ویلز نے یہ وقت واپسی جب نواب شاہ جہاں بیگم اور نواب صدیق حسن خاں کی تصویر اتارنے کے لیے شاہی فوٹو گرافر بھیجا تو نواب شاہ جہاں بیگم کی تصویر نقاب اور برقع کے ساتھ اتاری گئی۔

(نواب صدیق حسن خاں از رضیہ حامد، ص: ۹۳، ۹۴)

پردہ عورت کا شعار اسلامی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان بہت سے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ آج اس معاشرہ میں اخلاقی فسادات کی ایک جڑ بے پردگی بھی ہے۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمان اس کے پابند رہے ہیں اور ہیں جیسے اسلامی حکمران تقریباً بارلش ہوتے تھے۔ اس طرح ان کی بیگمات بھی باپردہ ہوتی تھیں۔ ماضی قریب میں صدر ایوب خاں کی بیگم کو کسی نے کبھی نہ دیکھا اور اسی طرح نواب رئیسہ بھوپال جہاں بیگم بھی اسلامی پردہ کی پابند تھیں۔ ان کے پردہ کے متعلق چند نادر واقعات قابل ذکر ہیں۔

رئیسہ بھوپال شاہ جہاں بیگم نکاحِ اول کے زمانے سے ہی شرعی قاعدے کے مطابق پردہ کی پابند تھیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب تحریر کرتے ہیں:

”نواب شاہ جہاں بیگم والی بھوپال نے نواب صدیق حسن سے ۱۸۷۰ء میں نکاح کیا اور آپ کو شریک امور سلطنت بنایا۔ نواب والا جاہ، امیر الملک کا خطاب اور معتمد المہام کا عہدہ عطا ہوا۔ بیگم پردے میں تھیں۔“ (نواب صدیق حسن خاں از رضیہ حامد، ص: ۱۱۶، موج کوثر، ص: ۶۶)

”کیا قافلہ جاتا ہے“ کے مؤلف نے لکھا کہ نواب سلطان جہاں بیگم کے بارے میں عطیہ بیگم کہا کرتی تھیں کہ بیگم صاحبہ چاہتیں تو بڑے بڑے نوابوں اور نواب زادوں کے رشتے موجود تھے لیکن انھوں نے ایک عالم بے بدل مولوی نواب صدیق حسن خاں سے شادی کی جن کے پاس علم کی دولت کے سوا کچھ نہ تھا۔

بیگم صاحبہ ان کی اسی طرح خدمت کرتی تھیں جس طرح اس زمانے کی ایک عام عورت اپنے شوہر کی کیا کرتی تھی۔

آزادی نسواں اور نواب شاہ جہاں بیگم کی مساعی جمیلہ:

مولانا دہاج الدین بھوپالی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ آزادی نسواں تحریک کے خلاف مقابلہ کرنے کے لیے ایک برقع پوش عورت بھی اس دور میں سینیٹر ہوئی۔ مغرب سے درآمد ہونے والی آزادی اور بے راہ روی کو روکنے کے لیے اس نے اپنی ہم جنسوں کو لاکار اور اکتالیس کتابیں لکھ ڈالیں جنہیں اپنے خرچے سے طبع و شائع کرا کے ہندوستان کے ہر حصہ میں تقسیم کرایا۔ ساتھ خود ہندوستان کے ایک ایک شہر میں جا کر اپنی خدا داد تقریر کرنے کی اعلیٰ صلاحیت سے کام لے کر عورتوں کے بڑے بڑے مجموعوں کو خطاب کیا اور ان کو ہر طرح سے سمجھایا۔ (بیگم بھوپال، ص: ۳۰ طبع کراچی)

ان حوالہ جات سے موصوفہ کا شرعی پردہ واضح ہوتا ہے اور اس حوالہ سے بھی مسئلہ اور واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ جہاں بیگم غیر معتدل آزادی کی حامی نہیں تھیں۔ بیگم عورتوں کو آزادی اور حقوق کی اس سطح پر لانا چاہتی تھیں جو مذہب اسلام نے ان کے لیے تجویز کی ہے، وہ خود بھی پردہ کی پابند تھیں۔ (نواب صدیق حسن خان از رضیہ حامد، ص: ۳۲۴)

والیہ بھوپال سلطان جہاں بیگم خادمہ ملک و مخدومہ امت کا ماتم:

پاک و ہند کے عظیم سکالر سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر جو شذرہ لکھا وہ درج ذیل ہے:

عالی حضرت کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے جس کا ماتم نہ صرف بھوپال نہ صرف ہندوستان نہ صرف مسلمان بلکہ تمام دنیا کر رہی ہے اور کرے گی۔

وہ نہ صرف اسلام کی بلکہ مشرق کی وہ آخری تاجدار خاتون تھیں جس کے کارناموں پر مرد سلاطین اور امراء بھی رشک کر سکتے ہیں ان کا دور حکومت جو تیس سال سے کم نہیں رہا تاریخ بھوپال کا زریں عہد ہے۔

سلطانہ مرحومہ مشرقی و مغربی تعلیم و تمدن کا ایسا مجمع البحرین تھیں جو آج مصلحین امت کا آئینہ دل ہے۔ ان کی مشرقی تعلیم پوری اور مغربی واقفیت بہ قدر ضرورت تھی وہ نہ صرف فرمان روا تھیں بلکہ

ہندوستان کی راہنما مسلمانوں کی واحد یونیورسٹی کی رئیسہ علیا، مذہبی تعلیم کی سب سے بڑی حامی مذہبی علوم و فنون کی سب سے بڑی سرپرست ہندوستان کی معتدل نسوانی اصلاحات کی سب سے بڑی مبلغ مسلمان عورتوں میں سب سے بڑی کثیر التصانیف اور سب سے بہتر مقررہ لیکن ان ہر قسم کے انتظامی اصلاحی، ملکی، علمی، تعلیمی کارناموں سے بڑھ کر ان کا حقیقی شرف ان کی مذہبی گرویدگی دینی عقیدت اور ایمانی جوش و ولولہ تھا۔

سلطانہ مرحومہ کی ہستی میں رعب و شفقت کی عجیب آمیزش تھی اور ان کے اخلاق میں عجیب کشش تھی ان کا دربار حد درجہ سادہ ہوتا تھا دربار کے آداب بھی تمام تر شرعی تھے۔ پردہ کے پیچھے وہ تشریف رکھتی تھیں۔ کورنش و رکوع سجود کا وہاں دخل نہ تھا سب سے پہلے السلام علیکم کی بلند آواز ان کی طرف سے آتی تھی۔ (یاد رنگاں، ص: ۱۰۰، ۱۰۱)

مجھے کئی بار جناب سید عبدالشکور اثری رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بیگم صاحبہ پردہ کی بہت پابند تھیں اور سید نواب صدیق حسن خان کے ساتھ ان کا سلوک نہایت اچھا رہا۔

سلطان جہاں بیگم کی ایک اور مخصوص صفت بے باک تھی۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ ایک اچھی مقررہ تھیں بلکہ زور بیان سے بڑے بڑے مجموعوں کو مسحور کر لیتی تھیں۔ ان کی کچھ تقریروں کا کہ اقتباس نذر قارئین ہیں تاکہ ان کا مزید تعارف ہو سکے۔ یورپ کے سفر سے واپسی پر خواتین کے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”میں تعلیم کے ساتھ اس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو بھی اس کا خیال نہیں گزر سکتا۔ ممکن ہے یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہے وہاں کے مناسب حال ہو یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو مگر ہندوستان بالخصوص مسلمانوں کے لیے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں نہ موزوں ہوگی اور نہ خدا تعالیٰ کے احکامات کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں۔ پس ہم کو اس مقولہ پر

عمل کرنا چاہیے کہ اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزوں کو چھوڑ دو۔ مسلمان عورتوں کو کبھی اس آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنا چاہیے جو مذہب اسلام نے ان کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔ ہماری قومی تاریخ ہم کو بتا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں نے اسلام اور شعائر اسلام کا پابند رہ کر دنیا میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ کیسے کیسے علوم و فنون میں دستگاہ حاصل کی۔ ان کی تعلیم و تربیت نے کیسے کیسے اولوالعزم اور مشہور اشخاص پیدا کیے، دور کیوں جاؤ خود بھوپال میں اسی نتیجہ تعلیم پر نظر ڈالو اور گزشتہ دونوں فرمانروا بیگمات کے حالات دیکھو جو تعلیم کے اعلیٰ نتائج ہیں۔“

ایک دوسرے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک بڑی غلطی ہوگی کہ عورتیں تمام ملکی و تمدنی امور میں مردوں کی مساوات کا دعویٰ کریں۔ ان کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہیے جو دست قدرت نے ان کے چاروں طرف کھینچ دیا ہے اور نہ اس معاملہ میں ان منطقی دلیلوں کی پیروی کرنا چاہیے جو اس مساوات کے متعلق دی جاتی ہیں۔ ایسی مساوات کے خیال سے گھر کی خوشیاں برباد ہو جاتی ہیں اور خانہ داری کا لطف جاتا رہتا ہے۔ ہاں جو حقوق خدا نے ایک دوسرے کے لیے مقرر کر دیے ہیں ان کو مانگنا اور لینا چاہیے۔“

قارئین! یہ خیالات اس ذات کے ہیں جو بہ ذات خود حکمران ہے، جو کسی کے تابع نہیں۔ سب اس کے تابع ہیں پھر بھی اس کی حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ لگائیے کہ بہ حیثیت عورت اس کا کردار کتنا صاف اور واضح ہے۔

ایک اور موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

”اس زمانہ میں احکام مذہب اور شعائر اسلام سے جو غفلت

عام طور پر برتی جا رہی ہے میں نے اس کو اکثر مجموعوں اور گھروں میں دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس بات سے مجھے کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کس قدر مایوس ہو جاتی ہوں۔ خصوصاً جب عورتوں میں یہ حالت پاتی ہوں تو میرے صدمے اور مایوسی کی حد نہیں رہتی۔ میں نے اوقات نماز میں نماز سے جوتساہل اور بے پروائی دیکھی اس نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں آج اسی جگہ اپنے ملال کا برملا اظہار کروں اور تم سب کو کچھ نصیحت کروں۔ دعا کرو کہ خدا ہم مسلمانوں کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ میں عورتوں کی اس بے پروائی کا ذمہ دار اگرچہ مردوں کو سمجھتی ہوں لیکن اگر عورتیں خود التزام رکھیں تو غالباً مردوں کو پابند کر سکیں اور دونوں کی کوشش جاری رہے تو اولاد پر بھی اس کے نیک اثرات ہوں گے۔ افسوس ہے کہ ہماری لاپرواہی کے اثرات ہماری آئندہ نسلوں کو بھی فرائض مذہبی سے لاپرواہ کر رہے ہیں۔“

آل انڈیا لیڈیز کانفرنس دہلی کے موقع پر جس میں پورے ہندوستان سے جوق در جوق ہزاروں خواتین نے شرکت کی تھی اپنی اختتامی تقریر میں ارشاد فرمایا:

”خواتین مسلمانوں میں پردہ مذہبی حکم اور مذہبی شعار ہے اور وہ خواہ کسی خیال کا مسلمان ہو، مسلمان رہ کر اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن الفاظ میں وہ حکم ہے اس کے معنوں یا مفہوم پر بحث کر کے پردہ کی حالت پر سختی یا نرمی کا فیصلہ کیا جائے مگر یہ کام بھی علمائے امت کا ہے عام آدمیوں کا نہیں۔ میں بہ ذات خود اپنی موجودہ حالت میں پردہ کی حامی ہوں اور حکم پردہ کو از روئے مذہب مسلمانوں کی معاشرتی حالت کی عمدگی کے لیے ضروری سمجھتی ہوں اور باوجودیکہ میری عمر پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو چکی ہے لیکن پردہ کا احترام قائم رکھنے کے لیے پردہ کرتی ہوں۔ میں نے اس مسئلے پر خوب اچھی طرح غور

حضرت نواب صدیق حسن خاں کے متعلق یا رلوگوں نے ایک من گھڑت کہانی بنا دی ہے کہ ایک دفعہ کسی نے آپ سے سوال کیا: ”دیوث“ کس کو کہتے ہیں؟

نواب صاحب نے فرمایا: جب میں کل بیگم صاحبہ کے ساتھ سیر کرنے کو نکلوں تو اس وقت سوال کرنا۔ دوسرے دن جب آپ سیر کے لیے بیگم صاحبہ کے ساتھ نکلے تو سائل نے سوال کیا تو فرمایا: دیوث اس کو کہتے ہیں کہ آدمی کے ساتھ اس کی بیگم پردہ سے نہ ہو۔

یہ کہانی سننے میں بہت اچھی اور اس میں اسلامی حمیت کی رفق نظر آتی ہے جب کہ اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

مجھے ایک دفعہ امین پور بازار فیصل آباد میں یہ واقعہ درس میں سننے کا موقع ملا۔ درس کے بعد جب راقم نے مولانا سے سوال کیا کہ یہ کس کتاب میں اور اس کا راوی کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے بھی سنا ہے؟

قارئین محترم! ایسے سنائے واقعات بلا تامل آگے بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کہ مبادا کہیں وہ واقعہ خلاف حقیقت ہونے سے بجائے تعریف کے تہمت کے زمرے میں نہ آجائے۔

کر کے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ میں نے طرح طرح سے سنا ہے کہ پردہ کے باعث تعلیم نسواں میں حرج ہوتا ہے اور پردہ ہی عورتوں کی ترقی کا مانع اور حارج ہے۔ میں نے اس اعتراض پر خالی الذہن ہو کر غور بھی کیا ہے لیکن اس کو ہر طرف سے غلط ہی پایا اور میرے نزدیک یہ اعتراض بالکل بے جان ثابت ہوا۔ کیونکہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام تعلیم کا حکم دے علم حاصل کرنے کی تاکید کرے حصول علم کو درجات میں بلندی کا باعث قرار دے جیسا کہ ارشاد ہے:

”اللہ ان لوگوں کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے علم میں درجے حاصل کیے۔“

اور دوسری طرف اس کے حصول کے ذرائع مسدود کر دے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم پردہ میں، جو حدود شرعی کے اندر ہو، اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم حجاب میں رہ کر مہذبہ سے حد تک طلب علم کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ امر ناممکن نہیں ہے۔ ہمارے یہاں لاکھوں روایتیں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کی موجود ہیں۔“

(بیگمات بھوپال، ص: ۸۰-۸۳)

پروفیسر محمد بشیر متین فطرت کا انتقال

پروفیسر محمد بشیر متین فطرت اکتوبر ۲۰۱۲ء (عید الاضحیٰ کے اگلے دن) وفات پا گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک علمی و ادبی شخصیت تھے۔ نام و نمود سے کوسوں دور تھے۔ شعر و شاعری سے خاصا شغف رکھنے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب سے گہرا رشتہ تھا۔ ہفت روزہ الاعتصام میں گاہ گاہ مضمون بھیجا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کی خبر بڑی مدت بعد اس طرح ملی کہ ادارہ ہمت شاد باغ لاہور کے زیر اہتمام ایک ماہنامہ ”ہمت“ زیر ادارت حافظ بلال احمد درویش، نکلتا ہے۔ جناب محمد شفیق جنجوعہ صاحب اس کے مالک و مہتمم ہیں۔ درویش صاحب کے ہاتھ سے یہ شمارہ وصول پایا اور گھر جا کر مطالعہ کیا تو اس شمارے میں مرحوم کی خبر وفات بھی دیکھی۔ محترم پروفیسر فطرت کے ساتھ یادگار باتیں ذہن میں گھونٹنے لگیں، اللہم اغفر لہ۔ مرحوم سے کئی دفعہ فون پر بات ہوتی۔ کئی دفعہ اشعار کی اصلاح کے لیے دریافت کیا جاتا اور کئی دفعہ انس کے کسی ادبی معلومات کا پوچھ لیا جاتا تھا۔ وہ خندہ پیشانی سے عقدہ حل کر دیتے تھے۔ پروفیسر مرحوم گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائن لاہور میں لیکچرار تھے تو بعض دفعہ الاعتصام کے دفتر تشریف لاتے اور یہاں علمی و ادبی نشست ہو جاتی تھی۔ ان کے لکھے گئے ترانے اور نعتیں اور نظمیں طویل ہوتی تھیں اور ادب و علم کا گہوارہ ہوتی تھیں۔ مضامین بھی اچھے لکھتے تھے۔ مسلک اخفی دیوبندی تھے۔ اہل حدیث حضرات اور اہل توحید کے قدر دان بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور بشری کمی کو تباہی معاف فرمائے۔ ان کے درجات میں بلندی دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی کا

فتنہ قادیانیت کے خلاف جہاد

عبدالرشید عراقی

دوسرا معرکہ:

اس سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین نے سر ظفر اللہ خان قادیانی کو، جو اُس وقت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھے، کانوکیشن ایڈریس پڑھنے کی دعوت دی۔ مسلمان طلباء جن کی قیادت نسیم سوہدروی کر رہے تھے، انھوں نے اس دعوت کی منسوخی کا فیصلہ کر لیا اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے لاہور آ کر علامہ اقبال سے ملے اور ان سے ایک میمورنڈم پر دستخط کرانے میں کامیاب ہوئے جو فضل کریم درانی (ایڈیٹر تھوٹھ) نے تیار کر کے دیا تھا۔ اس پر علامہ کے علاوہ مولانا ظفر علی خان اور دیگر اکابرین ملت کے دستخط ہوئے تھے۔ میمورنڈم کورٹ کو بھیجا گیا اور تقسیم کیا گیا۔ اخبارات میں بیان دیے، نتیجہ یہ ہوا کہ سر ظفر اللہ کا کانوکیشن ایڈریس منسوخ ہو گیا۔

قادیانی تحریک ۱۹۵۳ء:

فروری ۱۹۵۳ء میں قادیانی تحریک چلی تو حکومت نے اس تحریک کو دبانا چاہا۔ جب تحریک دینی نظر نہ آئی تو حکومت نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا، لاہور میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ اور اس سلسلے میں ملک کے متعدد علمائے کرام اور دیگر حضرات گرفتار ہوئے جس میں مولانا مودودی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، ملک نصر اللہ خان عزیز، مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ اور ہمارے سوہدرے سے عبدالجید سوہدروی، بشیر احمد شاہ اور پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم بھی گرفتار ہوئے۔

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم کی گرفتاری:

غلہ منڈی وزیر آباد میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ معلوم نہیں کہ اس جلسے کا انعقاد کس تنظیم کے تحت ہوا تھا۔ راقم جلسے میں موجود تھا۔ پہلے مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی تقریر ہوئی، اس کے بعد مولانا عبدالجید کی تقریر ہوئی۔ دونوں علمائے کرام نے حکومت پر سخت تنقید کی اور آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی اور مرزا قادیانی کی خرافات سے سامعین کو آگاہ کیا۔ تیسری تقریر پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی کی ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا۔

باطل سے دینے والے اے آسمان نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

اس کے بعد حکیم صاحب نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ حکومت حق کے مقابلے میں باطل کی حمایت کر رہی ہے اور اسے اس بات کو بھولنا نہیں چاہیے کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور باطل کو شکست ہوتی ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوقًا﴾ [بنی اسرائیل: ۸۱]

”حق آ گیا اور باطل چلا گیا اور باطل جانے ہی والا ہے۔“

اس کے بعد حکیم صاحب نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں آنحضرت ﷺ کی سیرت درج الفاظ میں بیان فرمائی:

حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات بت شکنوں کا منظر دکھاتی

آباد لے جایا گیا جہاں آپ نے اپنی گرفتاری پیش کی۔ حکیم صاحب کو ۶ ماہ قید کا حکم سنایا گیا مگر حکومت نے ۷ دن بعد رہا کر دیا۔
قادیانی تحریک ۱۹۷۴ء:

قادیانیوں کو اقلیت قرار دلوانے کے لیے ۱۹۷۴ء میں پھر تحریک میں شدت پیدا ہوئی تو حکیم صاحب نے جامع مسجد اہل حدیث کے زبیاں میں جلسے کی صدارت کی جس کے مہمان خصوصی اس وقت کے جامعہ پنجاب کی طلباء یونین کے صدر فرید پراچہ تھے۔ بڑا زور دار جلسہ ہوا۔ حکیم صاحب کا جذبہ ایمانی سے بھرپور خطاب آج تک کانوں میں گونجتا ہے۔ اسی تحریک کے نتیجے میں قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا۔ اس تاریخی فیصلے کے بعد تمام مکاتب فکر کے علماء نے اکٹھے نماز جمعہ پڑھنے اور اظہار تشکر کا فیصلہ کیا اور اجتماع میں حکیم صاحب کو خطبہ جمعہ پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

اس کے بعد بھی حکیم صاحب نے ختم نبوت کے لیے اپنی سعی جاری رکھی۔ مولانا ظفر علی خان کی قادیانیت کے خلاف جدوجہد کے عنوان پر تفصیلی مقالہ لکھا۔ حکیم صاحب کی ختم نبوت تحریک میں دلچسپی مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مناظروں سے شروع ہوئی جو ان کے دور طالب علمی میں ہوئے تھے اور جن کا تذکرہ انھوں نے اپنے مضمون ”مولانا ثناء اللہ امرتسری“ میں کیا ہے۔

تعاون کی درخواست

اللہ کریم کے کرم سے وادی سون ضلع خوشاب میں قاری شاہ محمد ربانی کی تبلیغ سے توحید و سنت کا کافی کام ہوا ہے۔ مساجد و مدارس کی تعمیر و ترقی کا کام بھی جاری ہے۔ اس کے لیے احباب اپنے مالی تعاون سے نوازیں تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔

(مولوی عبدالستار اعوان، ناظم جامع مسجد دار السلام
کلیال وادی سون، ضلع خوشاب)

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور قوانین کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسف کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش اور دعاء و زاری کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو دیکھو تو اس میں نوح، ابراہیم، موسیٰ، سلیمان، داود، ایوب، یونس اور یعقوب علیہم السلام کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے آپ نے یہ شعر کئی بار پڑھا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچه خواباں ہمہ دارند تو تنها داری

اس کے بعد حکیم صاحب نے مرزا قادیانی کی خرافات کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مرزا قادیانی کی تحریریں پڑھ کر طبیعت مکر ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص جس نے انبیائے کرام کی توہین کی، اولیائے کرام اور ائمہ عظام کی توہین کی ہو، کیا ایسا شخص نبی ہو سکتا ہے؟ کیا انبیائے کرام علیہم السلام نے جب اپنی اپنی قوموں کو تبلیغ کی اور ان کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کی جس کے جواب میں وہ لوگ انبیائے کرام کو جن الفاظ سے یاد کرتے تھے، قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ اس کی نشاندہی کی ہے، تو کیا انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قوم کے لوگوں کو گالیاں دیتے تھے؟ جو شخص اپنے بارے میں یہ کہے۔

کرم خاکی ہوں نہ آدم زاد میرے پیارے

ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

کیا ایسا شخص نبی یا مجدد یا مسیح موعود ہو سکتا ہے!

جلسہ ختم ہوا اور حکیم صاحب کو ایک جلوس کی شکل میں سٹی تھا نہ وزیر

”اس نغمے کی لے میں صوتِ شیطانی ہے“

کانوں میں پیالوں کی کھنک آتی ہے
آنکھوں میں تری مے سے چمک آتی ہے
پیتا ہے جو تو آگ کو پانی کر کے
منہ سے ترے دوزخ کی بھبک آتی ہے



اخلاق سے اجتناب، سبحان اللہ!
کانٹوں پہ رگِ گلاب سبحان اللہ!
انسان کو حیوان بنانے کی فکر
یہ دعوتِ انقلاب سبحان اللہ!



یہ جو مئے ناب کی فراوانی ہے
مزدور کے خون ہی کی ارزانی ہے
اور بادہ کشی کا درس دینے والے
اس نغمے کی لے میں صوتِ شیطانی ہے

(ماہر القادری)